لا الہ الا اللہ
محمد رسول اللہ

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون

رسالہ تشحیذ الاذہان

جلد ۵ — نمبر ۴

ایڈیٹر صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب

بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۰ — **فہرست مضامین** — مطابق ربیع الثانی سنہ ۱۳۲۸

باہتمام حافظ عبدالرحیم مورخہ ۳۰ اپریل سنہ ۱۹۱۰ء کو قادیان دارالامان سے شایع ہوا

ریویوز

دیسی کلنڈر سنہ ۱۹۱۰ء

مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر قادیان نے دفتر ہذا میں ریویو کے لئے بھیجا ہے۔ جن احباب کو تاریخوں کے معلوم کرنے کی ضرورت رہتی ہے۔ اُن کے لئے بہت مفید ہے۔ اس کلنڈر میں۔ انگریزی۔ قمری۔ بکرمی۔ اور سدی ہدی چار قسم کی تاریخیں ہیں۔ قیمت فی کلنڈر ۱ ہے۔

کلنڈر اصل مرتب نیاز علیخاں سوداگر تاجر کتب و مالک مطبع افغانی بازار حال شہر امرتسر یا مفتی صاحب مذکور سے مل سکتا ہے۔

احکام اللہ والرسول

یہ کتاب جناب سید عبدالحی صاحب قادیان کی تالیف کی ہوئی ہے۔ اس کتاب میں قرآن شریف اور احادیث سے اللہ اور رسول کے احکام کو ایک جگہ پر جمع کر دیا گیا ہے جن پر عمل کرنا تمام مسلمانوں کے لئے ضروری ہے۔ یہ کتاب اصل مولف سے ملتی ہے۔ قیمت صرف ۲ ہے۔

ضروری اطلاع

جن احباب کی طرف سے سال سنہ ۱۹۱۰ء کی قیمتیں وصول نہیں ہوئیں۔ وہ براۓ مہربانی بہت جلد بذریعہ منی آرڈر ارسال فرماویں۔ والا مئی سنہ ۱۹۱۰ء کا پرچہ بذریعہ وی پی ارسال ہوگا۔

منیجر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

آریہ مذہب اور جہاد

کہتے ہیں کہ خربوزہ خربوزہ کو دیکھکر رنگ پکڑتا ہے۔ پادریوں نے جو یسوع ناصری کی خدائی منوانے کے لئے زور مارنا شروع کیا۔ اور اپنے مذہب میں کوئی خوبی نہ پاکر غیر مذاہب پر حملے شروع کئے تو آرین (پنڈت دیانند صاحب کے متبع) جو اس قسم کے لٹریچر کے پہلے سے ہی فدا تھے۔ دیوانہ را آہوئے بس است کے مقولہ کے مطابق اُٹھے۔ اور پنڈت صاحب کے ساتھ ملکر لگے بزرگان مذاہب پر اعتراض کرنے۔ اور تو اور خود اپنے بزرگوں تک کو نہ چھوڑا کیونکہ پادریوں کا پورا اتباع تو تبھی ہو سکتا تھا (جنہوں نے بائبل کے کل نبیوں پر اتہام باندھے۔ اور ہر ایک کو گنہگار ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا) ہاں ایک قدم اور ترقی کی اور پادریوں نے تو نبیوں پر بہت کچھ اعتراض جماکر پھر بھی انکو نبوت سے جواب نہ دیا تھا مگر آریوں نے کرشن اور رامچندر جیسے بزرگوں کو اپنے حقیقی عہدہ سے بھی معزول کر دیا۔ وہ لوگ جنہوں نے ہندوستان کو خطرناک گناہوں کے پنجہ سے چھوڑ نیکی اور ہدایت کا سبق دیا جنہوں نے حقیقی وحدت کی تعلیم دی (گو بعد میں لوگوں نے بگاڑ دی) انہیں کو مخرب اخلاق تعلیم کا بانی قرار دیا اور بت پرستی کا موجد ٹھہرایا۔ مگر پھر ہندوؤں کو خوش کرنیکے لئے شدھی کا طریق نکالا اور غیر مذاہب کے بزرگوں کی وہ وہ عیب چینی کی گئی کہ ایک شریف آدمی توان کی تحریرات کو پڑھنے تک سے شرم کرتا ہے۔ پنڈت صاحب کی ستیارتھ پرکاش کا چودہ باب تو خاص کر مسلمانوں کی دل آزاری کے لئے ہی لکھا گیا تھا جسکا نتیجہ لیکھرام نے کلیات مسافر کی صورت میں شائع کیا۔ پھر تو ایک دریا امڈ آیا کہ جسکا

اندازہ کرنا میرے لئے تو مشکل کام ہے۔ ہر سال ایک نہ ایک اخبار نیا نکل آتا ہے۔ جس کا سارا زور اسلام کے برخلاف گالیاں بکنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ دہرم پال صاحب بی اے کا تو ہر وقت کام ہی یہی ہے۔ اندر نکالا تو اس غرض سے کہ مسلمانوں کی دل آزاری کی جائے ارجن شروع کیا تو اسی پہلو کو مدنظر رکھکر کہ بزرگان اسلام پر بہتان باندھے جائیں۔ اور حق کو چھپایا جائے۔ ایک اعتراض کا جواب کھولکر دیدیا جاتا ہے۔ مگر اگلے پرچہ میں پھر وہی موجود۔ دوسری دفعہ پھر سمجھایا جاتا ہے۔ تیسری دفعہ پھر بیان کیا جاتا ہے۔ مگر ہمارے آریہ مہربان ہیں سنتے تک نہیں۔ سینکڑوں دفعہ جواب دو مگر اعتراض وہیں کا وہیں۔ کیا اسی طرح مذہبی جھگڑوں کا فیصلہ ہوتا ہے۔ یا حق کو پرکھا جاتا ہے۔ بات تو تب ہو۔ کہ جو جواب ہو اُسپر غور کیا جائے۔ اس کے حسن اور سقم پر بحث ہو۔ اور ایک ہی بات کو بار بار نہ رٹا جائے۔ اور اس قسم کی تحریرات کے بعد دروغ بیانی کو کسقدر الگ کرکے رکھدیا جائے۔ یہ مدنظر نہ ہو۔ کہ اولیا اللہ کو گالیاں دیے بغیر نہیں رہنا بلکہ تحقیق کی غرض ہو اور سچ کی طلب +

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا چونکہ آرین صاحبان نے اس نصیحت کو ماننا ہے۔ اور نہ اُن کو سنانے سے کچھ فایدہ ہے۔ اس لئے میں اصل مقصد کی طرف لوٹتا ہوں اور وہ یہ کہ جہاں پنڈت دیانند اور اُن کے پیرواں نے اسلام پر اور سینکڑوں حملے کئے ہیں۔ وہاں ایک حملہ جہاد کا بھی ہے۔ بار ہا ہی اسکا جواب دیا گیا ہے۔ اور بیسوں دفعہ سمجھایا گیا ہے۔ مگر مقابل میں دل ہو۔ تو اُسپر بات اثر بھی کرے۔ جس پرچہ کو دیکھو یہی نظر آئیگا۔ کہ مسلمان ایک خونریز قوم ہے۔ ان کے پیغمبر (فداہ ابی وامی) نے اپنے مخالفین سے بڑی بڑی لڑائیاں کیں۔ اور یہ ہمیشہ جہاد کرتے رہے ہیں۔ اور ان کے دلوں میں لوٹ

مار کے خیالات جمے رہتے ہیں۔ اور انکی ترقی ہوئی ہی جہاد سے ہے۔ ورنہ یہ مذہب تہا ہی کیا نکلتے ہی تباہ ہو جاتا گویا کہ اسلام جب شروع ہوا ہے تو ایک جنگی فوج سے شروع ہوا ہے۔ کہ جس نے یکلخت دنیا میں چاروں طرف حملہ کر دیا۔ یا یہ کہ اسلام کا بانی ایک بڑا زبردست بادشاہ تہا کہ جس کے پاس لاکھوں کی تعداد میں فوج تھی اس کے دعویٰ کرتے ہی کروڑوں آدمیوں نے اسکی بیعت کر لی۔ ان نادانوں کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ آنحضرت (فداہ جسمی وروحی) کے ساتھ تیرہ برس تک مکہ والوں نے کیا سلوک کیا۔ اور کس مشکل سے آپ کے پیرواں گزارہ کرتے تھے۔ پھر جس مذہب نے اس حالت میں ترقی کی کہ اس کے چاروں طرف دشمن ہی دشمن تھے۔ جو ہر وقت اس کے تباہ کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ کیا وہ مذہب جہاد سے پھیلا ہوا مذہب قرار دیا جا سکتا ہے۔ مگر اسوقت مجھے اس سے بحث نہیں۔ کیونکہ اس کا جواب کئی دفعہ دیا جا چکا ہے۔ اس موقعہ پر میں آریہ صاحبان سے انہیں کی الہامی کتب وید سے ایک منتر لکھکر دریافت کرتا ہوں کہ کیا اسلامی جہاد زیادہ خطرناک تھے یا کہ رگوید ادھیائے سات انو کا ۱۵ اسکت ۸ منترا کا واقعہ یعنے جسمیں اندر کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اسکی جو ہماسے خوش ہوتا ہے۔ بھوگ لگا کر پوجا کرو جس نے راجسوان کے ساتھ کرشنا کی حاملہ استریونکو قتل کیا ہم رکشا کے خواہشمند اسکو جو نعمتوں کا دینے والا ہے۔ اور جس کے ہمراہ مارت ہیں اور جو بجر کو داہنے ہاتھ میں دہارن کرتا ہے بلاتے ہیں تاکہ ہمارا مددگار ہو" جس وید کی یہ تعلیم ہو کہ جوان بچہ اور بوڑھے مرد اور عورتیں تو الگ دشمن کی حاملہ عورتیں تک قتل کر دی جائیں۔ کیا اُس کے پیرو اسلام کی کسی لڑائی پر اعتراض کر سکتے ہیں۔ راجہ راجسوان کے ساتھ ملکر اس کے دشمن کرشنا کو جو کہ ہندوستان کے اصل باشندوں میں سے تہا۔ اور سیاہ فام

قوم میں سے تنہا جس کے ساتھ راجہ راجپوتوں کی جنگ رہتی تھی۔ اندر کا نہ صرف کرشنا کو قتل کردینا بلکہ اُسکی حاملہ عورتوں تک کو قتل کردینا کس انصاف کے ماتحت تھا۔ کیا آریہ صاحبان اپنے ویدوں میں اس قسم کے منتر پڑھکر پھر بھی مسلمانوں کے دفعیہ جنگوں پر اعتراض کرسکتے ہیں۔ اس منتر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس منتر کا پڑھنے والا رشی جس پر وید نازل ہوا ہے۔ یا جس نے وید کو بنایا ہے۔ اس فعل کو یاد دلا کر اندر کو بتاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ تو اگر ہمارا مددگار ہو جس سے اسکی صاف خواہش معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس فعل کو دوبارہ دیکھنا چاہتا ہے۔ اور اندر سے درخواست کرتا ہے۔ کہ تو ہماری بھی مدد کرتا کہ راجہ راجپوتوں کی طرح ہم بھی اپنے دشمنوں پر حملہ کرکے انکو قتل کردیں۔ اور نہ صرف اُنکے جنگی جوانوں کو ہی قتل کردیں گے۔ اور ایسی خونریزی ہو کہ حاملہ عورتیں تک بھی ماری جائیں۔ تاکہ آئندہ نسل کا بھی انقطاع ہو جائے تاکہ ہمارے برخلاف لڑنے والا کوئی نہ رہے۔

اب میں آریہ صاحبان سے پوچھتا ہوں۔ کہ یہ جہاد زیادہ سخت ہے۔ یا اسلامی جہاد چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ میں امید کرتا ہوں۔ کہ آریہ صاحبان اس قسم کے منتروں کو پہلے حل کرکے پھر کبھی جہاد پر اعتراض کرنیکی جرأت کرینگے۔ ورنہ بزرگان دین پر اعتراض کرنے سے کیا فائدہ صلح سے کام لو۔ اور فسادکے خیالات کو جانے دو۔ اور گورنمنٹ۔ اور رعایا دونوں کے درمیان نیک تعلقات پیدا کرنیکی کوشش کرو۔ تو مذہب کا فیصلہ خدا خود کردیگا۔ سچائی چھپی نہیں رہتی۔ اور جھوٹ کی پردہ دری ضرور ہوتی ہے۔ خدا اپنے دین کی مدد آپ کریگا۔ گالیوں سے خدا تعالےٰ کو کیا مدد ملسکتی ہے۔ الٹا دنیا میں فساد پڑ جاتا ہے۔ اور گورنمنٹ کے لئے بھی مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں صلح کو دنیا میں قائم کرو۔ تاکہ خدا بھی تم سے صلح کرے۔

بابت ماہ مارچ ۱۹۱۰ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اسلام گناہوں کا بیخ کن ہے

آج اتفاق سے جنوری سنہ ۱۹۱۰ء کا پرچہ آریہ مسافر جالندھر میری نظر سے گزرا۔ جسکے صفحہ ۶۵ میں ایک نامہ نگار کی طرف سے اک مضمون شائع ہوا ہے۔ جسکی سرخی اسلام اور گناہ ہے۔ اس مضمون میں نامہ نگار نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے۔ کہ اسلام گناہ کرنیکی تعلیم دیتا ہے اور جو شخص کہ مسلمان ہو۔ وہ بغیر گناہ کیئے کے مسلمان ہی نہیں کہلا سکتا۔ مگر نامہ نگار صاحب کی تحریر کو دیکھ کر صاف پتہ لگتا ہے۔ کہ وہ خود بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اسلام گناہ کرنے سے روکتا ہے۔ مگر بیماری تعصب کی وجہ سے وہ شیریں کلام جو بالکل صاف اور سیدھا اور عین فطرت انسانی کے مطلق تھا۔ انکو کڑوا لگنے لگ پڑا ہے۔ چنانچہ وہ خود ہی اپنے مضمون کے ابتداء میں لکھتے ہیں۔ "بادی النظر میں تو اسلام گناہ جائیز قرار نہیں دیتا۔ اور نہ ہی اس کے کرنیکی کسی مومن کو ترغیب اور تحریص کرتا ہے۔ لیکن اگر اسلام کی کتب کا معائنہ کیا جاوے۔ تو صاف معلم ہوتا ہے۔ کہ اسلام میں گناہ جائیز قرار دیا گیا ہے ۔ اور ہر ایک مومن اس کے بغیر مومن کہلانے کا مستحق نہیں ٹہرتا۔ یعنی مومن وہ شخص کہلاتا ہے۔ کہ جو احکام اسلام کا اقرار باللسان کرتا ہو اور تصدیق قلب سے اقرار نہ کرتا ہو۔ ایسا مومن وارث جنت ہوگا۔ وہ جو عقایئد اسلامیہ کا اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب کرتا ہے"۔ اب اس عبارت سے صاف پتہ لگتا ہے۔ کہ مضمون نویس صاحب اس بات کو خود تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اسلام بادی النظر میں گناہ سے روکتا ہے لیکن ہم نامہ نگار سے صرف اتنا ہی پوچھتے ہیں۔ کہ بادی النظر میں تو خود آپ بھی اس امر کو مانتے ہیں۔ کہ اسلام گناہ سے روکتا ہے

لیکن ایک امر جو کہ باطنی تھا۔ اور جسکو وہ لوگ بھی آجتک نہ سمجھ سکے جنکی عمریں اسلامی کتب کے پڑھنے پڑھانے میں گذر گئیں۔ اور جنہوں نے اسلام کی تعلیم کی تہ تک پہنچنے کے لئے بیحد کوششیں کیں۔ اور وہ پہنچ بھی گئے۔ تو آج آپ جیسا شخص جو کہ بالکل اسلامی تعلیم سے بے بہرہ اور محض لابلد ہے۔ اور جسکو اسلامی کتب کے سمجھنے کا ذرہ بھی مس نہیں۔ اور نہ وہ اس کی زبان سے واقفیت رکھتا ہے۔ اگر اس کے ایک باطنی امر پر اعتراض کرے۔ تو کسقدر تعجب کی بات ہے اور عقلمندوں کے نزدیک ایسے آدمی کی تحریر کس پایہ اور کس درجہ کی سمجھی اور کس وقعت کی نظر سے دیکھی جاسکتی ہے۔

یہ مضمون ایک ایسا لغو اور بیہودہ مضمون ہے۔ جس کے جواب دینکی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ ہر ایک آدمی جسنے اسلامی تعلیم کا تھوڑا سا بھی مطالعہ کیا ہے۔ وہ خوب جان سکتا ہے۔ کہ یہ مضمون کسقدر سچائی اور انصاف اپنے اندر رکھتا ہے۔ لیکن اس خیال سے کہ مبادا کوئی ناواقف شخص اس مضمون سے دہوکہ نہ کہا جاوے (کیونکہ آریوں کے اکثر کہنا تمام کے تمام مضامین ہی ایسے ہوتے ہیں جو کہ محض ناواقف لوگوں کو دہوکہ میں ڈالنے کے لئے لکھے جاتے ہیں۔ اگر یہ بات نہیں تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ وہ باتیں بھی اسلام کی طرف منسوب کردی جاتی ہیں جنکا اسلامی تعلیم میں شائبہ تک بھی نہیں پایا جاتا جیسا کہ خود نامہ نگار کی فطرت بھی اسبات کو مانتی ہے) اسلام کے ساتھ لفظ گناہ کا پڑھکر ہی مجھے تو تعجب آتا ہے۔ اور ہر ایک انصاف پسند اور ذی عقل آدمی کو واقعی تعجب آنا چاہیئے۔ کہ جس کتاب کا یہ دعویٰ ہے۔ کہ کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَیۡكَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ اِلٰی صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ یعنی یہ کتاب ہم نے اسواسطے نازل کی ہے۔ کہ تو لوگوں کو ان کے رب کے حکم سے ظلمت سے نکالکر نور یعنی

عزیز حمید خدا کے راستہ کی طرف لے جاوے اور جس کے تعلیم لانے والے
یعنی محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ روحی وقلبی) کی نسبت فرمایا گیا ہو لقد من
اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلو علیھم آیاتہ
ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین
یعنے اللہ تعالےٰ نے مومنوں پر احسان کیا ہے۔ کہ ان میں انہی میں سے ایک
رسول بھیجا ہے۔ جو انپر اسکی تعلیم کو پڑہتا اور پھر اونکو پاک کرتا۔ اور اونکو کتاب اور
پکی باتیں۔ (جو کسی طرح بھی انکی ہلاکت کا موجب نہیں ہوسکتیں۔ اور نہ ہی انکو
کرتے ہوئے وہ کسی کے سامنے شرمندہ ہوسکتے ہیں۔) سکھاتا ہے۔ اور تحقیق
وہ اس سے پہلے کھلی کھلی گمراہی میں تھے۔ سبحان اللہ کیا پاک رسول ہے۔
خود کسقدر پاکیزگی کا نمونہ دکھایا۔ اور پھر اپنی قوت قدسی سے ایک جہان کو
پاک کرکے اس دنیا سے رخصت ہوا کیا ایسا شخص جسکی نسبت دشمن بھی اقرار
کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جسوقت وہ دنیا میں ظاہر ہوا تمام دنیا میں کفر اور ظلمت
کا گھٹا ٹوپ بادل چھایا ہوا تھا۔ اور جسوقت وہ دنیا سے گیا۔ اسوقت ایک ایسی
جماعت پیدا کرکے گیا جنکا دل خدائی نور سے منور تھا۔ اور پھر اس جماعت نے
اس نور کو اپنے تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ سورج کی طرح اس نور کو تمام دنیا
میں پھیلایا۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت
عرب طرح طرح کے گندوں میں مبتلا تھا۔ جن میں سے انکو نکالنا سوائے ایک
حد درجہ کے پاک انسان کے کسی کا کام نہیں ہوسکتا اگر ان تمام گندوں کا جن میں
وہ مبتلا تھے یہاں ذکر کیا جاوے تو میرے خیال میں وہ خود ایک مستقل مضمون
بن جاتا ہے۔ جس کا ذکر بوجہ خوف طوالت مضمون یہاں چھوڑا جاتا ہے۔ کیونکہ
وہ ایک بدیہی امر ہے جسکا انکار اگر کوئی کور باطن اور حد درجہ کا متعصب

اور تاریخ سے محض ناواقف انسان کرے تو کرے ورنہ ایک انصاف پسند تاریخ سے واقفیت رکھنے والا انسان کبھی نہیں کریگا۔ تو پھر ایسے شخص کی تعلیم کی نسبت یہ کہنا کہ وہ گناہ کرنے پر انسانوں کو مجبور کرتی ہے ہٹ دھرمی اور مسلمانوں کا دل دکھانا نہیں تو اور کیا ہے۔

پھر کیا ایسی کتاب کی طرف گناہ کی تعلیم منسوب ہو سکتی ہے جس کے پیرو کاروں کو یہ سکھایا گیا ہو کہ وہ دن میں پانچ دفعہ خدا کے حضور یہ دعا مانگا کریں اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین آمین کہ یا الٰہی تو ہم کو ہمیشہ اسی رستہ پر چلاتا رہو جس پر چل کر ہم تجھکو پالیویں یعنی ان لوگوں کی راہ پر جنپر تونے انعام کئے اور ان بد بختوں کی راہ سے ہم کو بچالے جو اپنے گناہوں کے سبب سے تیرے غضب کے مورد ہوئے اور جو تیری راہ سے دور جا پڑے ہیں۔ پھر جس کتاب کی نسبت فرمایا ہو کہ لا یمسہ الا المطہرون یعنی اس کے حقایق کو وہی انسان سمجھ سکتا ہے جو اپنے اندر پاکیزگی پیدا کرے اور جس کتاب میں یہ لکھا ہوا ہو کہ ان اللہ یحب المتطہرین کہ اللہ تعالےٰ صرف پاکوں سے ہی محبت کرتا ہے۔ اور پھر جو یہ بتاوے کہ قد افلح من زکیھا وقد خاب من دسٰھا یعنی جس نے اپنے نفس کو پاک کیا وہ کامیاب ہوگیا اور جس نے اسکو گناہوں میں پیس ڈالا وہ خائب اور خاسر رہا اور جو اپنے متبعین کو یہ ارشاد کرے کہ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر وتؤمنون باللہ یعنی تم ایک بھلی امت ہو جو دنیا میں اسواسطے نکالی گئی ہو۔ تاکہ تم لوگوں کو معروف باتوں کا حکم کرو اور بے حیائی کی باتوں سے روکو اور اللہ پر ایمان لاؤ اور جو کتاب بار بار یہ حکم دے کہ امنوا وعملوا الصالحت یعنی ایمان لاؤ اور عمل نیک کرو اور جسمیں گنہگاروں کو طرح طرح کے

عذاب سے ڈرایا گیا ہو۔ اور نیکیوں کو طرح طرح کے انعامات کا وعدہ دیا گیا ہو اور جسمیں لکھا ہوا ہو کہ افمن کان مومنا کمن کان فاسقا لا یستؤن۔ اما الذین اٰمنوا و عملوا الصالحت فلهم جنت الماوی نزلا بما کانوا یعملون واما الذین فسقوا فماوٰهم النار یعنے کیا وہ شخص جو مومن ہو اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے۔ جو فاسق ہو۔ یہ دونو ہرگز برابر نہیں ہو سکتے وہ لوگ جو ایمان لاتے اور نیک اعمال بجا لاتے انکے لئے جنت ٹھکانا ہے۔ یہ مہمانی ہے۔ بدلہ اسکے جو وہ کرتے ہیں۔ اور لیکن وہ لوگ جو فاسق بنتے ہیں۔ انکا ٹھکانا آگ ہے۔ اور جس کے رسول کی نسبت یہ فرمایا گیا ہو۔ یا ایها الذین اٰمنو استجیبو لله وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم یعنی اے مومنو اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کو مان لو۔ جبکہ وہ تمکو بلاتا ہے۔ تاکہ تم کو گناہوں سے پاک کرے اور تمہاری مردہ روحوں میں جان ڈالے اور پھر جنکا خدا یہ کہتا ہو۔ کہ الله ولی الذین اٰمنو یخرجهم من الظلمت الی النور والذین کفروا اولیٰئهم الطاغوت یخرجونهم من النور الی الظلمت اولٰئك اصحب النار هم فیها خلدون یعنی اللہ دوست ہے۔ ان لوگوں کا جو مومن ہیں۔ انکو وہ ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا رہتا ہے۔ اور وہ لوگ جو کافر ہوئے ان کے دوست سرکش روحیں ہیں۔ وہ انکو نور سے ظلمت کی طرف نکالکر لے جاتی رہتی ہیں۔ یہی لوگ دوزخی ہیں۔ اور اسمیں رہنے والے ہیں۔ اور پھر جو ڈنکے کی چوٹ یہ حکم دیتا ہے۔ لا تتبعوا خطوات الشیطن انه لکم عدو مبین انما یأمرکم بالسوء والفحشاء وان تقولوا علی الله ما لا تعلمون یعنی تم شیطان کی پیروی مت کرو تحقیق وہ تمہارا کھلا کھلا دشمن ہے۔ اور وہ تحقیق تمکو حکم کرتا ہے۔ فحش اور بری باتوں کا اور یہ کہ کہو اللہ پر جو تم نہیں جانتے اور پھر فرمایا اقیموا الصلواة اور ساتھ

ہی یہ بھی فرمایا ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر یعنی نماز فحش اور بیحیائی کی تمام باتوں سے روکتی ہے۔ غرضکہ میں کہاں تک لکھتا جاؤں تمام قرآن شریف اسی تعلیم سے بھرا پڑا ہے۔ مگر افسوس کہ مخالفین کو تعصب نے اسقدر اندھا کر رکھا ہے۔ کہ باوجود آنکھیں رکھنے کے کچھ نہیں دیکھتے ء اور باوجود کان رکھنے کے کچھ نہیں سنتے اللہ تعالےٰ ان کی حالت پر رحم کرے۔

تعجب ہے۔ کہ جس پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثوں پر نامہ نگار نے اپنی نافہمی یا دہوکہ دہی کی خاطر اعتراض کیا ہے۔ وہ تو اپنی پاک حدیثوں میں یہ فرماتا ہے۔ کہ تم سب کان دہر کر سن لو کہ ان اللہ طیب لا یقبل اللہ الا طیباً اللہ تعالےٰ پاک ہے اس کے حضور کسی شخص کے اعمال قبولیت نہیں پا سکتے جبتک کہ پاکیزہ نہ ہوں۔ مگر ایسے لوگوں کو ان صریح باتوں سے کیا غرض جنکی منشا ہی محض دوسروں کا دل دکھانا اور عوام کو دہوکہ میں ڈالنا ہو۔

اب میں ان حدیثوں کو لیتا ہوں جنپر نامہ نگار نے اعتراض کیا ہے اور جس سے وہ ثابت کرنا چاہتا ہے۔ کہ نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زنا اور چوری کی تعلیم دیتے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ اس شخص کی عقل کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ اسقدر دلیرانہ وار بہتان اسلام پر باندھ رہا ہے۔ او کم عقل کیا تو نے اسلام کے اس حکم کو نہیں پڑھا۔ کہ لا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا یعنی زنا کے نزدیک بھی نہ جاؤ۔ یہ ایک بہت ہی نحش اور بری راہ ہے۔ اور پھر کیا تو بتا سکتا ہے۔ کہ کیا اسلام سے بڑہکر دنیا میں کسی مذہب نے اس بدذاتی کو دنیا سے اٹھانے کی کوشش کی ہے چنانچہ اگر اسکا مرتکب شادی شدہ ہو تو اسکو رجم کرنیکا حکم دیا ہے اور جو شادی شدہ نہ ہو۔ اس کیلئے سو

ء اور باوجود دل رکھنے کے کچھ نہیں سمجھتے۔

کوڑے مارنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منہما مائۃ جلدۃ ولا تاخذکم بہما رافۃ فی دین اللہ ان کنتم تومنون باللہ و الیوم الآخر ولیشہد عذابہما طائفۃ من المومنین یعنی زانی عورت اور زانی مرد ان ہر ایک کو سو سو کوڑا مارو اور تمکو ان دونوں کے لئے اللہ کے اس حکم میں کوئی نرمی نہ پکڑے اگر تم اللہ اور یوم الآخر پر ایمان لاتے ہو۔ اب دیکھئے کہ کسقدر سخت حکم ہے۔ فرمایا کہ اگر تم کو یہ یقین ہے۔ کہ اللہ موجود ہے۔ اور پھر ساتھ ہی یہ بھی علم ہے۔ کہ وہ مالک یوم الدین ہے اور کوئی آخرت کا دن آویگا۔ جسمیں جزا اور سزا دی جاویگی۔ تو یاد رکھو کہ اگر تم اونکو یہ سزا نہ دوگے اور انکے ساتھ نرمی کروگے۔ تو تم اسدن پوچھے جاؤگے۔ اور پھر اسپر بھی مومنوں کو عبرت دلانے کے لئے فرمادیا۔ کہ مومنوں کا ایک گروہ انکی سزا کے وقت حاضر ہوا کرے اور دوسرے ان کو سزاگاہ میں موجود ہونیکا حکم دینے سے یہ بھی فائدہ ہے۔ کہ اس بدذاتی کے ارتکاب سے لوگ بچتے رہینگے۔ کیونکہ انسان کی فطرت یہ برداشت نہیں کرسکتی کہ وہ کسی کے سامنے ذلیل ہو۔ اور اسکا پردہ فاش کیا جاوے یہ حکم تو ان لوگوں کی نسبت ہے۔ جنکی شادی ابھی نہیں ہوئی۔ مگر ان لوگوں کا حکم جو شادی شدہ ہیں۔ اس پاک انسان یعنی محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام میں موجود ہے۔ جنکی کلام پر نادان معترض نے اعتراض کیا ہے۔ آنحضورؐ نے فرمایا ہے۔ لا یحل دم الذی مسلم الا باحدی ثلاث۔ یعنی مسلمان آدمی کا خون کسی طرح بھی جائز نہیں ہوسکتا۔ مگر ہاں جب وہ تین امروں میں سے کسی ایک کا مرتکب ہوجاوے۔ اوران امور میں سے سب سے پہلا امر یہ رکھا ہے۔ کہ الثیب الزانی یعنی وہ آدمی جو شادی شدہ ہو۔ اور پھر وہ زنا کرے تو ضرور اسکو مار دو کیا اگر اس زریں اصول پر عمل کیا جاوے۔ تو دنیا میں ایک زانی بھی نظر آسکتا ہے۔

ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ پھر اس پاک کتاب نے تو ایسے اصول باندھے ہیں جن پر اگر عمل کیا جاوے تو اس فعل کا ارتکاب ہونا ہی مشکل ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ قل للمومنین یغضوا من ابصارھم و یحفظوا فروجھم ذالک ازکی لھم ان اللہ خبیرً بما یصنعون وقل للمومنٰت یغضضن من ابصارھن و یحفظن فروجھن یعنی کہہ دے مومنوں کو کہ اپنی آنکھوں کو نیچے رکھا کریں۔ اور اپنے فرجوں کی حفاظت کریں۔ یہ بہت ہی پاکیزہ بات ہے۔ انکے لئے تحقیق اللہ تعالیٰ خبردار ہے ساتھ اس کے جو وہ کرتے ہیں۔ اور مومن عورتوں کو بھی کہہ دے۔ کہ وہ بھی اپنی آنکھوں کو نیچا رکھا کریں۔ اور اپنے فرجوں کی حفاظت کیا کریں کیا کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے۔ کہ اس اصول پر کاربند ہونے سے اس بدذاتی کا نام و نشان بھی باقی رہ سکتا ہے۔ تو جواب یقیناً یہی ہوگا ہرگز نہیں۔ نامہ نگار صاحب اور نہیں تو کم از کم قرآن شریف کی اگر اس ایک آیت کو پڑھ لیتے۔ تو میرے خیال میں ایسا لغو اعتراض پیش کرنے کی کبھی بھی جرأت نہ ہوتی۔ اور وہ آیت یہ ہے۔ قد افلح المومنون الذین ھم فی صلوٰتھم خاشعون والذین ھم عن اللغو امعرضون والذین ھم للزکوٰۃ فاعلون والذین ھم لفروجھم حٰفظون الا علیٰ ازواجھم او ماملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین فمن ابتغیٰ وراءذالک فاولٰئک ھم العٰدون تحقیق وہ مومن فلاح پائینگے جن میں اور صفات کے علاوہ یہ بھی ایک صفت ہوگی۔ کہ وہ اپنے فرجوں کی حفاظت کرنیوالے ہیں۔ اور سوائے اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے اور کسی کی طرف نہیں دیکھتے۔ اور جو کوئی ان کے سوائے کسی اور کا قصد کرے وہ حد سے بڑھنے والا ہے۔ اور فرمایا کہ ان اللہ لا یحب المعتدین حد سے بڑھنے والوں سے اللہ تعالےٰ محبت نہیں کرتا۔

ایسے ایسے صریح احکام کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی یہ کہے۔ کہ اسلام

زنا کو جائز قرار دیتا ہے۔ تو ناظرین خود ہی رائے لگا سکتے ہیں۔ کہ کیا ایسا آدمی تعصب سے خالی اور عقلمند سمجھا جا سکتا ہے۔ اب میں اس حدیث کے معنی کرتا ہوں جسکی بنا پر نادان معترض نے نہایت ہی کم فہمی اور کم سمجھی سے اسلام پر زنا اور چوری جیسا بدنما دھبہ لگانیکی کوشش کی ہے۔ اور وہ حدیث یہ ہے جو ابوذر رضی اللہ تعالٰے سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو نائم علیہ ثوب ابیض ثم اتیتہ فاذا ھو نائم ثم اتیتہ وقد استیقظ فجلست الیہ فقال ما من عبد قال لا الہ الا اللہ ثم مات علی ذالک الا دخل الجنۃ قلت و ان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق قلت وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق ثلاثا الخ معنی اس حدیث کے یہ ہیں۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اس حالت میں کہ آپ سوئے ہوئے تھے۔ آپ پر سفید کپڑا تھا۔ پھر میں آیا پس اس وقت بھی آپ سوئے ہوئے تھے پھر میں آیا۔ تو آپ اسوقت بیدار تھے۔ پس میں آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ اور آپ نے فرمایا کہ ایسا کوئی آدمی نہیں جو لا الہ الا اللہ کہے اور پھر مرتے دم تک اسی پر قائم رہے۔ اور پھر وہ جنت میں داخل نہ ہو یعنی ضرور داخل ہوگا۔ میں نے (ابوذر رضی اللہ عنہ) نے کہا۔ اگر وہ زنا کر چکا ہو۔ اور چوری کر چکا ہو تو آپ نے فرمایا۔ کہ ہاں اگرچہ چوری اور زنا کر چکا ہو۔ پھر اسی بات کو تین دفعہ دہرایا گیا۔ یہ ایک ایسی صاف اور سیدھی حدیث ہے۔ جسمیں اس بات کا اشارہ تک بھی نہیں۔ کہ زنا اور چوری اسلام میں جائز ہے۔ مگر نادان معترض نے محض مسلمانوں کا دل دکھانے کے لئے اپنی بدباطنی کی وجہ سے اس کے الٹ پلٹ معنی کر کے اعتراض جڑ دیا ہے۔ چنانچہ آپ اس کے معنی کرتے ہیں۔ پس (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) فرمانے لگے۔ کہ جو کوئی کہے لا الہ الا اللہ اور اوسپر قائم رہ کر

مرے وہ بہشت میں داخل ہوگا یہاں تک تو آپ سیدھی طرح معنی کرتے چلے گئے ہیں۔ مگر آگے جاکر یہ حاشیہ (یعنی صرف زبان کے اقرار سے بدون اعمال نیک کے) معترض نے اپنی طرف سے چڑھا دیا ہے۔ جسکا حدیث کے لفظوں میں نام و نشان تک بھی نہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ ثم مات کے لفظ کو سمجھنے میں دہوکہ کھایا ہے۔ اور عربی زبان کی ناواقفیت کی وجہ سے اس کے معنے یہ کر دیئے ہیں۔ کہ ادھر وہ لا الہ الا اللہ کہے اور اُدھر اسکی جان نکل جاوے۔ میں حیران ہوں کہ جس زبان کے سمجھنے کا ذرا بھی مس نہ ہو۔ اسپر اعتراض کرنیکی جرأت کس طرح ہو سکتی ہے مگر جب ہم غور کرکے دیکھتے ہیں۔ تو صاف پتہ لگتا ہے کہ اسکی وجہ صرف عربی زبان سے ناواقفی ہی نہیں۔ بلکہ دیدہ دانستہ مسلمانوں کا دل دکھایا گیا ہے۔ کیونکہ خود معترض صاحب اس کے معنی کرتے ہیں۔ کہ جو کوئی لا الہ الا اللہ پر قائم رہ کر مرے وہ بہشت میں داخل ہوگا۔ پھر جب وہ اس کلمہ طیبہ پر قائم رہکر مریگا تو پھر کسطرح ہو سکتا ہے۔ کہ وہ لا الہ الا اللہ کہتے ہی مرجاوے۔ حالانکہ وہاں تو اسپر قائم رہنے کی شرط لگی ہوئی ہے۔ اور قائم وہی رہیگا۔ جو اس قول کے کہنے کے بعد زندہ بھی رہے۔ اور پھر ثم کا لفظ صاف ظاہر کرتا ہے۔ کہ اس کلمہ طیبہ کے کہنے کے بعد وہ اسپر کاربند بھی رہے۔ کیونکہ ثم کا لفظ عربی زبان میں تعقیب مع التراخی کے لئے آتا ہے۔ یعنی اس مطلب کے اظہار کے لئے کہ ثم کے ماقبل کے وقوع کے بعد فوراً ہی اس کے مابعد کا وقوع نہیں ہو جاویگا۔ بلکہ کچھ دیر کے بعد اس کے مابعد کا وقوع ہوگا۔ پس اس حدیث سے تو صاف پتہ لگتا ہے۔ کہ اس کلمہ طیبہ کے کہنے والا ضرور ہے۔ کہ اسپر کاربند بھی رہا ہو۔ جیسا کہ مات علی ذالک بھی اس امر کی تائید کرتا ہے۔ اور ایک اور حدیث سے بھی صاف پتہ لگتا ہے۔ عن سفیان بن عبد اللہ

الثقفی قال قلت یا رسول اللّٰہ قل لی فی الاسلام قولاً لا اسأل عنہ احداً بعدک قال قل آمنت باللہ ثم استقم سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہا میں نے کہا یا رسول اللہ مجھے اسلام میں کوئی ایسی بات بتائیے جسکی نسبت میں آپ کے بعد پھر کسی اور سے نہ پوچھوں تو آپ نے فرمایا۔ کہ کہو میں ایمان لایا اللہ پر پھر اسپر استقامت کر۔ اسی طرح قرآن شریف میں بھی اللہ تعالی فرماتا ہے۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ الخ۔ یعنی تحقیق وہ لوگ جو کہتے ہیں۔ کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور پھر اسپر استقامت کرتے ہیں۔ ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔

مگر ہم اس امر کو بھی مان لیتے ہیں۔ کہ کسی نے لا الہ الا اللہ کہا۔ اور اسکو اعمال کہ نیکی توفیق ہی نہیں ملی۔ اور اسکو موت آگئی تو پھر بھی وہ نجات پا جائیگا اور اسپر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ لا الہ الا اللہ کے اگر معنوں پر غور کیا جاوے۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس پاک تعلیم پر ایمان لانیوالا ضرور ہے۔ کہ نجات پا جاوے۔ چنانچہ اس کلمہ طیبہ میں دو باتیں قابل غور ہیں۔ اول لا الہ پھر الا اللہ۔ لا الہ کے معنے تو یہ ہیں کہ کوئی معبود نہیں یعنی کوئی بھی ایسی ہستی نہیں۔ جسکی فرمانبرداری کی جاوے گویا اس کلمہ میں تو صاف فرما دیا۔ کہ مسلمان وہ ہوتا ہے۔ جو یہ اقرار کرتا ہے۔ کہ میں کسی کی بھی فرمانبرداری نہیں کرونگا۔

اب جائے غور ہے۔ کہ سب سے بڑھکر انسان کو بدیوں کی طرف لیجانے والا نفس امارہ اور شیطان ہے۔ اور بدیوں کے کرنے کا وہی اسکو حکم دیتا ہے تو جب ہم اس کلمہ میں اقرار کر چکے ہیں۔ کہ ہم تو کسی کی بات کو نہیں مانینگے۔ تو اس حاکم کا کہا جو برائی کا حکم دیتا ہے۔ ہم کسطرح مان سکتے ہیں۔ تو گویا تمام برائیوں سے بچنے کے لئے تو یہ کلمہ ہی کافی ہے۔ پھر آگے اس کے وہ اقرار کرتا ہے

الا اللہ یعنی میں کسی کی فرمانبرداری نہیں کروں گا۔ مگر اللہ کی یعنی اس ذات کی جو تمام صفات حمیدہ سے متصف اور تمام برائیوں سے منزہ ہے۔ اب آپ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ جو ذات کہ خود تمام برائیوں سے منزہ ہو کیسطرح دوسروں کو برائیوں کا حکم دے سکتی ہے۔ اور یہ ایک بدیہی امر ہے جسکو ہم دنیا میں بھی ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں۔ کہ وہ انسان جو خود پاک ہوتے ہیں۔ وہ دوسروں کو بھی پاکیزگی کا ہی حکم دیتے ہیں۔ اسی واسطے ہر مذہب اور ملت میں اپنے آپکو نیک بنانیکے لئے یہ سب سے اعلیٰ نسخہ سمجھا گیا ہے۔ کہ نیک آدمیوں کی صحبت میں زیادہ بیٹھا جاوے تو پس جب انسان اسبات پر سچے دل سے ایمان لاتا ہے۔ کہ میرا خدا تمام برائیوں سے منزہ اور تمام صفات حمیدہ سے متصف ہے۔ تو اسکے ملنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ خود بھی اپنے آپ کو ایسا بنانیکی کوشش میں لگا رہے۔ اور جن باتوں کے کرنے کا اسنے حکم دیا ہے۔ انکو کرے اور جن باتوں سے روکا ہے۔ ان سے رکے جیسا کہ خود قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرک بعبادۃ ربہ احداً یعنی وہ شخص جو اپنے رب کو ملنا چاہتا ہے۔ پس اسکو چاہیئے کہ وہ نیک عمل بجالائے اور اپنے رب کی فرمانبرداری میں کسی کو شریک نہ کرے تو پس لا الہ کا اقرار انسان کو تمام گناہوں سے روکنا اور الا اللہ کا اقرار تمام نیکیوں کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اسواسطے تمام اولیاء اللہ نے بالاتفاق اسبات کو لکھا ہے۔ کہ اگر اس کلمہ طیبہ کا بہت ورد کیا جاوے۔ تو وہ تمام حجاب جو انسان اور خدا کے درمیان ہوتے ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ دور ہو جاتے ہیں۔ پھر دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اللہ کا لفظ خدا تعالیٰ کا ذاتی نام ہے۔ اور باقی تمام اسماء جو خدا تعالیٰ کے لئے آتے ہیں۔ وہ سب صفاتی نام ہیں۔ جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے۔ وہ

گویا اللہ تعالےٰ کے تمام صفات پر ایمان لاتا ہے۔ تو ان تمام صفات میں شدید العقاب اور مالک یوم الدین بھی خدا تعالیٰ کی صفات ہیں۔ تو جب انسان اسبات کو تسلیم کر لیتا ہے۔ کہ میرا خدا گناہ کرنے پر سخت سزا دینے والا اور جزا سزا کے دن کا مالک ہے۔ تو گویا جب انسان اس کلمہ کو مانتا اور اسپر ایمان لاتا ہے۔ تو گویا وہ ان تمام گناہوں سے جو اس سے سرزد ہوئے ہوتے ہیں توبہ کرتا اور اقرار کرتا ہے۔ کہ یا الٰہی اب میں سوائے تیرے اور کسی کی فرمانبرداری نہیں کرونگا اور کسی کی نہیں۔ تو پھر اگر اسکو موت آجاوے۔ تو کیا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا ضرور ہوگا۔ کیونکہ موت تو اس کے اپنے اختیار میں نہیں بلکہ وہ تو اب سچے دل سے اپنے گناہوں سے توبہ کر چکا۔ اور سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا اقرار کر چکا ہے۔ اور اگر وہ زندہ رہتا تو ضرور اسپر قائم رہ کر نیک اعمال بجا لاتا باقی رہا یہ کہنا کہ اسطرح پر انسان مرنے کے بعد لا الٰہ الا اللہ کہکر خواہ کتنے ہی گناہ کر چکا ہو۔ نجات پا سکتا ہے۔ تو یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ یہ دہوکہ تو انسان کو دے سکتا ہے۔ جو اس کے اندرونی حالات سے ناواقف ہو۔ مگر وہ جو علیم بذات الصدور خدا ہے۔ وہ کیا ایسا دہوکہ کہا سکتا ہے۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ چنانچہ یہی معنے ہیں۔ اس حدیث کے جسمیں فرمایا ہے۔ کہ من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ۔ لا الٰہ الا اللہ کے اقرار کرکے اگر کوئی جنت میں داخل نہیں ہوسکتا تو پھر اور کونسا امر ہے جس کے ماننے سے انسان وارث جنت ہو سکتا ہے۔ فلیأتوا بحدیث مثلہ ان کانوا صادقین۔ یعنی اگر یہ سچے ہیں تو پھر اسکی مثل کوئی بات تو پیش کریں۔

اسجگہ میں اس حاشیہ (یعنی صرف زبان کے اقرار سے بدوں اعمال نیک کے) کی نسبت جو حدیث کے الفاظ پر اپنی طرف سے ہی چڑہایا گیا ہے۔ نامہ نگار کو اتنا جتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام ایسے آدمی کو جو صرف زبان سے ہی اقرار کرتا اور

دل سے نہ ماننا ہو منافق سمجھتا اور اس کے ایمان کی نفی کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے ومن الناس من یقول اٰمنا باللہ وبالیوم الاٰخر وما ھم بمؤمنین یعنی بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور یوم الاخر پر ایمان لائے لیکن اللہ تعالی کہتا ہے کہ وہ مومن ہی نہیں ہوئے۔ اور پھر فرمایا کہ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون یعنی کیا لوگ گمان کرتے ہیں۔ کہ وہ صرف اتنی بات پر ہی چھوڑے جاوینگے۔ کہ زبان سے اتنا کہہ دیں۔ کہ ہم مومن ہیں۔ اور وہ امتحان میں نہ ڈالے جاویں۔ یعنی وہ ضرور امتحان میں ڈالے جاوینگے۔ تو جب اسلام ایسے آدمی کے ایمان کو ایمان ہی نہیں سمجھتا جو زبان سے تو اقرار کرتا ہو اور دل میں اس کے شرارت ہو۔ اور پھر ساتھ ہی یہ حکم دیتا ہے کہ اٰمنو وعملوا الصلحت اور ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کو ضرور وابستہ کرتا ہے۔ تو پھر اسکی تعلیم کی نسبت یہ کہنا کہ صرف زبان کے اقرار سے بدون اعمال کئے کے عقلمندوں کے نزدیک کسقدر صحیح اور درست ہو سکتا ہے۔ پھر آگے چلکر نامہ نگار نے یہ معنی کئے ہیں۔ ابی ذر نے کہا کہ اگر وہ زنا چوری کیا کرے تو بھی بہشت میں جائیگا۔ فرمایا حضرت نے زنا چوری کرکے بھی۔ بجگہ نامہ نگار نے ان زنی وان سرق کے یہ معنی کئے ہیں۔ کہ اگر وہ زنا یا چوری کرے۔ یعنی ماضی کے صیغہ کو مضارع کے معنی میں کرکے پھر یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ چوری اور زنا کو اسلام نے جائز قرار دیا ہے۔ زنا کی نسبت تو میں پہلے بحث کر چکا ہوں مگر چوری کی نسبت میں نامہ نگار صاحب کو قرآن شریف کی ایک آیت سناتا ہوں السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما یعنی چور مرد وعورت ہو ان دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ کیوں صاحب دیکھا کہ اسلام نے چوری کو کیا جائز قرار دیا ہے۔ یہ تو آپ کی دینی کتب کی واقفیت کا حال ہے۔ کہ ان تمام صریح حکموں پر پانی پھیر دیا اور علمی لیاقت کا یہ حال ہے۔ کہ عربی میں ماضی

اور مضارع کے صیغوں میں بھی آپ تمیز نہیں کر سکے۔ اور پھر اعتراض کرنے میں یہ جرأت کہ لکھ دیا ہے۔ کہ ہر ایک مومن گناہ کئے بغیر مومن کہلانے کا مستحق نہیں ٹھہرتا۔

شاید نامہ نگار صاحب یہاں یہ اعتراض کردیں۔ کہ اِنْ کا لفظ ماضی کے صیغہ پہ داخل ہوکر مضارع کے معنی میں کر دیتا ہے۔ اس لئے میں آپ کے اس شبہ کو پہلے ہی سے دور کر چھوڑتا ہوں۔ یہ بالکل غلط بات ہے۔ کہ اِنْ ہر وقت ماضی کو مضارع بنا دیتا ہے۔ ہاں کبھی مضارع بھی کر دیتا ہے۔ اور کبھی ماضی کو اسی کے معنوں میں بھی بحال رہنے دیتا ہے۔ چنانچہ مغنی جو نحو کی اعلیٰ کتابوں میں سے ایک کتاب ہے۔ اسمیں قطرب کا یہ قول درج ہے۔ کہ ان جب ماضی کے صیغہ پر آتا ہے۔ تو کبھی قد کے معنے بھی دیتا ہے۔ اگر ہم چاہیں۔ تو یہاں یہی معنے کرلیں ورنہ یہ معنے بھی بالکل درست بن جاتے ہیں۔ چنانچہ پھر یہ ہوگی کہ اس خیال میں کہ تحقیق وہ زنا اور چوری کر چکا ہو۔ لیکن جمہور نے اس کا خلاف کیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ معنی اس کے وہی رہتے ہیں۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ مضارع کے معنی بھی کر دے چنانچہ انہوں نے ایک مثال حدیث میں ہی سے دی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عائیشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہیں۔ ان کنت المت بذنب فاستغفری یعنی اگر تو نے گناہ کر لیا ہوا ہے۔ تو بھی استغفار کرلے پھر قرآن شریف میں آیا ہے۔ ان کان قمیصہ قد من دبر۔ یہاں بھی ماضی کے ہی معنی ہیں۔ پھر ایک شعر بھی ہم یہاں درج کر دیتے ہیں۔ اتغضب ان اُذُنا قتیبۃ حُزَّتا۔ جہاراً ولم تغضب لقتل ابن حازم معنی کیا تو کہلا کہا ناراض ہوتا ہے۔ اگر قتیبہ کے دونو کان کاٹے گئے ہیں۔ اور نہیں تو ناراض ہوا ابن حازم کے قتل پہ۔

چنانچہ دوسری حدیثیں ہمارے ان معنوں کی موید ہیں۔ قال ابوھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مومن ولا یسرق السارق حین یسرق وھو مومن الخ یعنی مومن ہونیکی حالت میں زنا اور چوری وغیرہ سرزد ہی نہیں ہوسکتیں۔ دوسری حدیث عبادۃ ابن الصامت سے مروی ہے۔ انھم بایعوہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ان لا یسرقوا ولا یزنوا ولا یعصوا یعنی صحابہ نے نبی کریم کے ہاتھ پر تین امور کی بیعت کی کہ وہ کبھی نہ تو چوری کرینگے۔ اور نہ زنا اور نہ نافرمانی کرینگے۔

جب میں اس مضمون پر مزید غور کرتا ہوں تو مجھے نامہ نگار صاحب کی عقل اور دانائی پر حیرت آجاتی ہے کہ ایک معنی جو خود اہل زبان بھی جن کے سامنے یہ حدیث پیش کی گئی ہے۔ نہیں سمجھ سکے۔ وہ آپ نے کسطرح سمجھ لئے اگر اس حدیث کے یہی معنی ہوتے۔ جو آپ نے کئے ہیں۔ . . . .

. . . . توحضرت دنیا میں سب سے پہلے تو وہی ان کے مرتکب ہوتے۔ کیونکہ وہ لوگ تو ان گندوں کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ اور اگر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے ذرا سا بھی ان باتوں کا اشارہ پاتے تو وہ کھلم کھلا انکا ارتکاب کرتے۔ مگر وہ لوگ صرف خود ہی ان گندوں سے نہیں بچے بلکہ ایک دنیا کو انہوں نے ایسی بدذاتیوں سے نکالا اور اب ایک دنیا انکا نام یاد کرکے اللہ تعالٰے سے ان کے لئے رحمتیں اور برکتیں مانگتی ہے۔

پھر اس حدیث کے بعد نامہ نگار نے ایک اور حدیث اپنے معنوں کی تائید میں پیش کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ ایک دفعہ نبی کریم کو تلاش کرتے کرتے بنی نجار کے باغ میں آئے۔ اور جب وہ

آپ کے پاس پہنچے تو آپ نے اپنی جوتیاں دیکر کہا اذھب بنعلیّ ھاتین فمن لقیت من وراء ھذا الحائط یشھد ان لا الٰہ الا اللہ مستیقنا بھا قلبہ فبشرہ بالجنۃ فکان اول من لقیت عمر یعنی یہ میری جوتیاں لے جا۔ اور جو شخص تجھے اس باغ کے پیچھے ملے اور وہ گواہی دیتا ہو۔ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی اور اوسکا دل اس بات پر یقین کرتا ہو۔ پس اسکو جنت کی بشارت دیدے۔ پس وہ (ابوہریرہؓ) کہتا ہے۔ کہ پہلا شخص جو مجھے ملا۔ حضرت عمرؓ تھے چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا۔ کہ یہ جوتیاں کیسی ہیں۔ اس نے پھر ساری بات حضرت عمرؓ کو تبلائی تو پھر انہوں نے اسکی چھاتی میں ایسا مکا مارا کہ وہ سرین کے بل گر پڑا۔ اور کہا کہ لوٹ جا۔ اے ابا ہریرہ پھر وہ کہتے ہیں۔ کہ میں لوٹ کر نبی کریم سے شکایت کی۔ آپنے حضرت عمرؓ سے اسکا سبب پوچھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ یا رسول اللہ کیا آپ نے ابا ہریرہ کو بھیجا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاں تو حضرت عمر نے کہا۔ فلا تفعل فانی اخشی ان یتکل الناس علیھا فخلھم یعملون، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخلھم۔ یعنی یا رسول اللہ ایسا نہ کیجئے پس میں ڈرتا ہوں کہ لوگ اسپر بھروسہ کر لینگے۔ پس انکو چھوڑ دیجئے کہ عمل کریں آپ نے فرمایا کہ ہاں انکو چھوڑ دو۔

اس حدیث میں اول تو نامہ نگار صاحب نے یہ معنی کئے ہیں۔ کہ ابا ہریرہ نے حضرت عمر کو جب یہ بشارت دی تو انہوں نے لات ماری حالانکہ حدیث میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس سے یہ معنے نکلتے ہوں۔ بلکہ نبی کریم صلی علیہ وسلم کا حکم تو ابا ہریرہ کو صرف یہی تھا۔ کہ اس دیوار کے پیچھے جو آدمی ہو۔ اسکو یہ بشارت دیدو گر ابا ہریرہ نے تو حضرت عمر کو بتایا ہی نہیں۔ اور آگے چلا گیا۔ اسی واسطے حضرت عمرؓ اس کو مار کر واپس لوٹا دیا۔ کیونکہ آپ سمجھ گئے تھے۔ کہ یہ حکم خاص میرے ہی

واسطے آنحضرتؐ نے دیا ہے باقی رہا یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے کہنے پر اسباب کے اظہار سے روکا ہے۔ تو یہ بالکل غلط ہے۔ بلکہ خود نبی کریمؐ نے معاذ بن جبلؓ کو یہ حدیث سنائی ہے۔ اور اسکو عام لوگوں کو سنانے سے روکا ہے۔ کیونکہ آپ خود سمجھتے تھے۔ کہ ہر ایک آدمی فقیہ نہیں ہوتا اور نہ ہی ہر ایک آدمی لفظوں کی تہ تک پہنچ سکتا ہے۔ چنانچہ آپ نے معاذ بن جبل کو کہا۔ فان حق اللہ علی العباد ان یعبد و اللہ و لا یشرکوا بہ شیئاً وحق العباد علی اللہ ان لا یعذب من لا یشرک بہ قلت یا رسول اللہ افلا ابشر الناس قال لا تبشرھم فیتکلوا یعنی نبی کریم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے حق بندوں پر یہ ہیں۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہی فرمانبرداری کریں اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کریں۔ اور پھر بندوں کے حق اللہ پر یہ ہیں۔ کہ وہ ان لوگوں کو سزا نہ دیوے۔ جو اس کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ کیا میں لوگوں کو بشارت نہ دوں۔ فرمایا انکو بشارت نہ دو۔ کیونکہ وہ اسپر توکل کرینگے

جب خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے اگر کہہ دیا تو کونسا گناہ ہو گیا۔ اگر آپ نے دوسرے کے منہہ سے کہی ہوئی حق بات کو مان لیا۔

میرے خیال میں جو کچھ میں نے لکھا ہے ایک عقلمند اور تعصب سے خالی انسان کے لئے کافی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اگلے پرچہ میں آپکی اگلی حدیثوں پر بھی بحث کی جاویگی۔ جو آپ نے استغفار کے متعلق پیش کی ہیں۔

خاکسار

شیخ عبدالرحمن از قادیان

بت پرستی کے نتائج

کیا پاک ہے۔ وہ تعلیم جو قرآن شریف نے ہمکو دی۔ یعنے لوکان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا فسبحان اللہ رب العرش عما یصفون۔ یعنی اگر زمین و آسمان میں اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہوتا ۔ تو ضرور فساد پڑ جاتا اور امن قائم نہ رہ سکتا پس پاک ہے اللہ جو رب ہے عرش کا اُن مشرکانہ باتوں سے جو کہ بت پرست لوگ اُسکی طرف منسوب کرتے ہیں۔

چنانچہ ذیل کا واقعہ جو ابھی ہوا ہے۔ اسکا شاہد ہے۔ پایونیر کے گیارہ تاریخ کے پرچہ میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے۔ کہ ایک شہر میں دو بت تھے۔ اور دونوں کے معتقدین کی ایک جماعت تھی۔ جو اپنے اپنے بت کو مانتی تھی۔ ایک موقعہ پر ایک بت کے معتقدین نے اپنے بت کا جلوس نکالنے کا ارادہ کیا۔ مگر دوسرے بت کے ماننے والوں نے انکو روکا کہ تم اپنے حدود سے باہر نہ آؤ۔ اور اس بت کو اپنے ہی علاقہ میں پھراؤ۔ ورنہ انجام اچھا نہ ہوگا۔ کیونکہ اُنھوں نے بتایا کہ اگر دو بت ایک ہی استہ میں اکٹھے ہو جائیں۔ تو اس شہر میں آئندہ نسل بند ہو جاتی ہے اور گائیں دودھ دینا چھوڑ دیتی ہیں۔

دوسرے گروہ کا یہ اعتقاد نہ تھا۔ اور وہ اسکے ماننیکے لئے تیار نہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس بات کے ماننے سے انکار کیا اور کہا کہ ہم تو اپنے بت کو ضرور سارے شہر میں پھرائینگے۔ جسپر جھگڑا اس حد تک بڑھا کہ نوبت کچہری تک پہنچی مجسٹریٹ نے فیصلہ دیا کہ ہر ایک بت اپنے اپنے علاقہ سے باہر نہ نکلے۔ کیونکہ اسمیں امن معلوم ہوتا ہے۔ عدالت بالا میں اپیل ہوئی مگر وہاں بھی یہی فیصلہ بحال رہا۔ کہ ایک بت دوسرے بت کے علاقہ میں نہ جائے۔ مگر چیف کورٹ میں اپیل کرنے میں جہاں عدالت نے فیصلہ دیا کہ ہم کوئی وجہ نہیں دیکھتے کہ کیوں وہ بت شہر کی بازا[ر]

سڑکوں پر نہ پھرے۔ کیونکہ سڑکیں پبلک ہیں اور جو چیز کل پبلک کی ہو اُس سے ہر ایک فرد بشر فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اور چونکہ یہ بت بھی پبلک میں ہی داخل ہیں۔ اسلئے انکو ہم کوئی خصوصیت نہیں دے سکتے جیسے اور لوگ پھرتے ہیں یہ بھی پھریں۔ مگر فریق ثانی نے ولایت میں پریوی کونسل میں اس فیصلہ کی اپیل کی اگر وہاں بھی بجناب عدالت عالیہ نے ہائی کورٹ کے فیصلہ کو بحال رکھا۔ اور کہا کہ سرکاری سڑکوں پر جیسے زید بکر عمر کو پھرنیکا اختیار ہے۔ ویسی ہی خدا انکو ہے۔ ہم انکو روک نہیں سکتے۔ مگر اس فیصلہ پر بھی طرف ثانی خوش نہ ہوئی۔ اور ارادہ کیا کہ پریوی کونسل میں نظر ثانی کرائی جائے۔ مگر خوش قسمتی سے ججوں نے اجازت نہ دی ورنہ کئی ہزار روپیہ اور برباد کیا جاتا۔

اگر یہ واقعہ سچا ہے۔ اور صرف اپریل فول ہی نہیں تو واقعی تعجب انگیز ہے۔

کفارہ

اس مضمون پر جناب مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر قادیان نے ایک مختصر سا ٹریکٹ لکھا ہے جسمیں کہ نہایت خوبی اور عمدگی سے مسئلہ کفارہ کا بطلان کیا ہے۔ اور نہ صرف عقلی دلائل سے بلکہ خود توریت و انجیل سے اس مسئلہ کی غلطی ثابت کی ہے۔ میں نے اس مضمون کو خوب غور سے سنا ہے۔ اور جہانتک میں دیکھتا ہوں۔ مفید ہی مفید پاتا ہوں۔ اسوقت ایسے ٹریکٹوں کی بہت ضرورت ہے مگر شرط یہ ہے کہ سچے دل اور اخلاص سے لکھے گئے ہوں اور یہ باتیں اس رسالہ میں خدا کے فضل کے پائی جاتی ہیں۔ خدا کرے طالبان حق کیلئے مفید ثابت ہو۔ احباب کو چاہئیے کہ کچھ رسالہ خرید کر مسیحیوں میں مفت شائع کریں۔ قیمت ۳ر ہے۔ اور مفتی صاحب سے ملسکتا ہے۔ عیسائیوں میں تقسیم کرنے کے لئے عہ ر میں ۱۰۰ رسالہ ملتے ہیں۔

اُنکی کونسل کا کوئی حق نہیں۔ کہ وہ اس قانون کو بدل سکیں۔ خواہ کسی خواب یا الہام کی ہی بنا پر ہو کیونکہ جسکی نسبت خود خدا کا بیٹا (نعوذ باللہ) کہتا ہے۔ کہ وہ قانون کو ابدتک نہ بدلینگے انکو بدلنا کسی پطرس یا شمعون کے رؤیا یا الہام کی بنا پر کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ ورنہ دوہی صورتیں ہیں یا تو یہ مان لیا جائے کہ یسوع کا علم ناقص تھا اور یا یہ کہ مذکورہ بالا کلمات انجیل میں پیچھے سے مل گئے ہیں اِن دونوں حالتوں میں انجیل کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔

پنجم ایک اور دلیل کا یہاں لکھدینا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ یسوع ایک موقعہ پر حواریوں کو فرماتا ہے کہ "وہ چیز جو پاک ہے۔ کتوں کو مت دو اور اپنے موتی سُوروں کے آگے نہ پھینکو۔ کہ وے انہیں پامال کریں۔ اور پھر کر تمہیں پھاڑیں"۔

متی باب ۷ اِس آیت میں یسوع نے کیسے پرزور اور جوش دلانے والے الفاظ میں حواریوں سے التجا اور استدعا کی ہے۔ کہ دیکھو اپنے جوشوں کو دباؤ اور نرمی سے کام لو میں جو تم کو تعلیم سکھاتا ہوں وہ موتیوں کی طرح ہے۔ اُسے ضائع مت کرو۔ اُسے غیر قوموں کے سامنے پیش مت کرو۔ کیونکہ جیسے موتیوں کی قدر کتے اور سوئر نہیں کر سکتے۔ اُسیطرح یہ لوگ بھی اعلیٰ باتوں کی قدر پہچاننے سے عاری ہیں۔ اور اگر تم انکے سامنے یہ تعلیم پیش کروگے۔ تو جیسے سوئر موتیوں کو پاؤں میں روند ڈالتے ہیں۔ اُسی طرح سے یہ لوگ اس تعلیم کو تباہ کر دینگے۔ اور اس کی خوبی کو خاک میں ملا دینگے۔ اور اسمیں اپنی طرف سے بہت سی باتیں ملا دینگے۔ یہاں تک کہ وہ موتی جو تم انکے سامنے پیش کروگے۔ وہ اُن مسلے ہوئے موتیوں کی طرح ہو جائینگے جو زمین پر روندے گئے ہوں اور انہیں اور مٹی میں کچھ فرق نہ ہو سکیگا اور نہ صرف وہ اس تعلیم کو ہی خراب کر دینگے۔ بلکہ تم پر اور مجھ پر ایسے ایسے الزام باندھینگے۔ کہ پھر بچنے کی کوئی راہ نہ ملیگی ۔

پس کیسی سچی یہ تعلیم تھی جو یسوع نے دی۔ اور کیا ہی پاک وہ نصیحت تھی جو اوس نے کی مگر افسوس اُسدن پر کہ جب حواریوں نے یا (میرے خیال کے مطابق) انکے بعد اور لوگوں نے یسوع کے اُن در دبھرے کلمات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے یونانیوں اور رومیوں پر یہ مذہب پیش کیا۔ اور ماتم اُس قوم کے لئے کہ جس نے اپنے محسن اپنے نجات دہندہ اپنے مہربان اپنے استاد کے ارشاد و ہدایت اور وصیت کو یوں خاک میں ملا دیا۔ اور بت پرست قوموں کے سامنے مسیحیت کو پیش کیا۔ وہ لوگ جنکی گھٹی میں ہی بت پرستی پڑی ہوئی تھی۔ وہ کب اس مذہب میں داخل ہوکر اسے ترک کر سکتے تھے۔ اگر پہلے محبت اور غضب اور وقت اور قسمت کے بت پُجتے تھے۔ تو اب انہوں نے یسوع اور مریم کے بتوں کے آگے سر جھکا دیئے۔ اور اسیطرح وہ تعلیم جو توحید سکھاتی تھی سب سے زیادہ بت پرستی کی تلقین کرنیوالی تعلیم ہوگئی اور وہ یسوع جس نے کہ قوم کی خاطر بڑے بڑے دکھ اٹھائے تھے۔ اسکو انہوں نے بڑی بے دردی کے ساتھ ملعون قرار دیا (نعوذ باللہ) اور اسیطرح پہلے نوشتوں کا کلام پورا ہوا کہ اپنے موتی سوئروں کے آگے نہ ڈالو کہ وہ اُنہیں پامال کریں۔ اور پھر کر تمہیں پھاڑیں"۔ یسوع کے احسانات فراموش کر دیے گئے۔ اُسکی کل نیکیاں بھلا دی گئیں۔ اُسکی کل مہربانیاں نظر انداز کر دی گئیں۔ اور وہ قوم کا مصلح بغیر کسی جرم کے ملعون قرار دیا گیا اور اس کے پیروان نے اُسکی تعلیم کو غیر قوموں کے سامنے پیش کر کے اسے پھڑوایا اور گالیاں دلوائیں۔ سچ ہے کہ نادان دوست سے دانا دشمن اچھا ہوتا ہے۔ مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ یسوع کے اپنے ہی شاگردوں نے سادگی کی وجہ سے بت پرستوں کے آگے موتی ڈالدیے جنہوں نے اُنکو روندا اور خود اُن کے استاد کو پھاڑا۔ کیا اس سے زیادہ کوئی حملہ ہو سکتا ہے۔ کہ ایک فدائے قوم اور نیک آدمی کو من

مانے عیش اڑانے کے لئے ملعون قرار دیا۔ گو پراٹسٹنٹ فرقہ نے کچھ اصلاح کی مگر کسطرح ممکن تھا۔ کہ نوشتوں کا الکھا ٹل جائے۔

اب میں اس مسئلہ کو لمبا کرنا نہیں چاہتا میں انجیل سے اچھی طرح ثابت کر آیا ہوں۔ کہ مسیحی تعلیم کا غیر قوموں میں پھیلانا نہ صرف ممنوع ہے۔ بلکہ خطرناک گناہ ہے۔ پس جبکہ انجیلی نجات سوائے یہودیوں کے اور لوگوں کے لئے ہے ہی نہیں۔ تو مسیحی بننا ہی بالکل لغو اور بیہودہ فعل ہے۔ اور انکا نجات کے مسئلہ پر لوگوں سے بحث کرنا ہی فضول۔

آرین تعلیم بھی عام نہیں

اس کے بعد میں آرین تعلیم کو لیتا ہوں۔ مگر اسے میں زیادہ لمبا نہیں کرنا چاہتا اور اگر کروں تو بھی بڑی مشکلات ہیں کیونکہ یہ لوگ تاریخ سے نابلد رہے ہیں۔ انکی کوئی بات سچی ملتی ہی نہیں۔ جو مرضی آئے یہ کہدیں۔ وہ سب سچ مگر غیر مذاہب والے اگر انکی پچھلی کتابوں یا قدیم نشانات سے کوئی واقعہ نکالکر ثابت کر دیں تو وہ سب بالکل غلط اور نادرست ناقابل اعتبار رہوتا ہے۔ وید کا کوئی ترجمہ صحیح نہیں اور نہ ہو سکا پنڈت دیانند نے جو کچھ لکھا اسمیں دشمنوں کی دست برد ہمیشہ ہوتی رہی۔ تاریخ دانی کا یہ حال ہے۔ کہ ان کے ایک اخبار نویس لکھتے ہیں۔ کہ بکرما جیت سے بھی پہلے ایک راجہ تھا جس نے سرحد پر حملہ کر کے مسلمانوں کی لڑکیاں چھینی تھیں۔ گویا کہ آنحضرت سے بھی سات آٹھ سو برس پہلے مسلمان سرحد پر رہا کرتے تھے۔

مگر پھر بھی چونکہ تنقید کرنی ہی پڑتی ہے۔ اس لئے کچھ نہ کچھ لکھنا ضروری ہو مگر زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں صرف اسقدر کافی ہے۔ کہ بقول ان کے دنیا کروڑوں برس سے چلی آرہی ہے۔ تو اتنی مدت میں صرف آج پنڈت دیانند

کو یہ بات سوجھی کہ وید سب دنیا کے لیئے ہے۔ اور جسقدر رشی منی گزرے ہیں سب اس سمجھ سے خالی تھے۔ تو پھر بڑا پاپ اور ظلم ہے کہ وہ تعلیم جو ساری دنیا کے لیئے تھی۔ وہ پرماتما نے صرف ہند ہیں مخصوص کر چھوڑی اور یہی نہیں۔ بلکہ صرف آرین قوم کیلیئے خاص کر دی جب کروڑوں برس سے تمام ہندو رشی۔ منی یہی کہتے آئے ہیں۔ تو آج پنڈت صاحب کو ہم کسطرح مان لیں کہ یہ درست کہہ رہے ہیں کیوں نہ کہیں کہ مسلمانوں اور مسیحیوں کو دیکھکر آپکو بھی شوق چرایا۔ کہ ہم کیوں پیچھے رہیں۔ کیوں نہ وید کو بھی تمام دنیا کے لیئے بتائیں بیشک ایک رنگ میں تو وید تمام عالم کیلیئے ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ہندوؤں کی بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہمالیہ سے پرے کچھ نہیں۔ بس دنیا وہاں ختم ہے۔ تو اس صورت میں ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ وید سب دنیا کیلیئے اترا تھا۔ کیونکہ جب دنیا ہندوستان کا ہی نام ہے۔ تو بیشک وید سب دنیا میں شائع ہو چکا ہے اور ہمیشہ سے اسکی تعلیم دنیا کے (یعنے ہندوستان کے) ہر کونہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور اس بات کے مان لینے میں ہمکو بھی کچھ مضایقہ نہیں۔ لیکن اگر دنیا سے مراد کل عالم لیا جائے تو پھر ہم وید کو کل دنیا کے لیئے نہیں مان سکتے۔ اور نہ خود ہندوؤں کی کتابیں ہمکو اس بات کی اجازت دیتی ہیں۔

مگر اصل بات یہی ہے۔ کہ جب سے آرین لوگ ہندوستان میں آئے ہیں اور جب سے کہ وید تصنیف ہوئے ہیں۔ اسی وقت سے انکی تعلیم کو ہندوؤں میں خاص رکھا گیا اور شودروں کیلیئے ایسے سخت قانون بنائے گئے۔ کہ انکو پڑھکر حیرت ہوتی ہے۔ کہ یہ لوگ اپنے سوا دوسرے لوگوں کو کیا سمجھتے تھے چنانچہ حکم تہا۔ کہ اگر کوئی شودر وید کو سن لے یا خود کبھی نہ سنے اسکے کان میں ہی آواز پڑ جائے تو اوسکو سخت سزائیں دی جائیں اور کان کاٹ دیئے جائیں آنکھیں نکالدیجائیں وغیرہ

وغیرہ۔ اور وید کو چھونے پر تو بہت ہی سخت سزائیں ملتی تھیں۔ پس ایسی حالت میں یہ کہنا کہ وید سب دنیا کے لئے ہے کہاں تک ٹھیک ہو سکتا ہے۔ جب آریوں کے بزرگوں کا عمل اور انکی کتب ہمکو یہ واقعات بتا رہی ہیں۔ تو پھر زبان سے وید کو کل عالم کے لئے کہدینے سے تو کچھ نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ اگر کوئی تعلیم وید کی ایسی ہوتی کہ جمیں سب دنیا کی ہدایت کا اقرار ہوتا۔ تو آخر اس اربوں برس میں کوئی رشی منی یا اوتار تو اس دھرم کے کام کو اپنے ہاتھ میں لیتا اور کہتا کہ وید سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سب دنیا کو ہدایت کرو پھر اس کتاب کو اپنے گھر میں کیوں چھپائے بیٹھے ہو۔ اور اگر جب سے وید نازل ہوئے ہیں۔ سب ہندو دھرم کی دور اور ہدایت سے خالی ہی رہے ہیں۔ اور کسی کو بھی ہندوستان سے باہر کے لوگوں کی حالت پر رحم نہیں آیا۔ اور نہ وید کی تعلیم کی حمایت کا ہی جوش پیدا ہوا تو ایسی کتاب جس نے دو اربوں برس میں ایک کو بھی ہدایت نہ کی۔ آج اس سے ہم کیا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ اور ہماری نجات کے لئے وہ کیا کر سکتی ہے۔

غرضکہ وید نہ تو تمام دنیا کے لئے ہونیکا دعویٰ کرتا ہے۔ اور نہ ہی اسکی وجہ بتاتا ہے اور علاوہ اُس کے وید ابتک ہندوستان سے باہر نہیں پھیلایا گیا اور ہمالیہ سے باہر اُسکی تلقین نہیں ہوئی۔ اور شاستروں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وید کو غیر قومیں سنیں تک نہیں۔ اور خود ہندو بزرگوں کا عمل یہی ظاہر کرتا ہے چنانچہ آریہ قوم کے سوا جو کہ بہت تھوڑی تعداد میں ہے۔ اور لاکھوں سے نہیں بڑھتی قریبًا کل فرقے اس بات کے قائل ہیں۔ کہ وید کا باہر نکالنا۔ اور غیر قوموں کو اپنے اندر شامل کرنا بالکل ناجائز ہے۔ اور گناہ عظیم ہے۔ تو اس صورت میں آریوں کا نجات کا دروازہ تمام دنیا کیلئے کہلا ثابت کرنا بالکل غلط ہے۔ اور انکو کوئی حق نہیں کہ غیر قوموں میں اپنے مذہب کی تلقین کریں ؛

اسلام سب دنیا کیلئے ہی

میں دیکھتا ہوں کہ تمہید بہت لمبی ہوتی جاتی ہے۔ مگر پھر بھی ضروری ہے۔ کہ میں قرآن شریف سے اسبات کا دعویٰ دکھاؤں کہ وہ سب دنیا کے لئے ہے۔ اور یہ کہ آنحضرتؐ ہر زمانہ اور ہر جگہ کے لئے خاتم النبیین ہو کر مبعوث ہوئے ہیں۔ اور ابتک جسکو تیرہ سو برس گزر گئے ہیں۔ یا آئندہ آپکی غلامی سے منکر شخص کی رسائی دربار الٰہی میں نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ اول ہی اول جو آیت ہمکو سورۃ فاتحہ میں نظر آتی ہے۔ وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔ جسکے معنے ہیں۔ کہ سب تعریف ہے اُس کے لئے جو سب دنیا کا رب ہے یعنے پرورش کرنے والا ہے۔ جسمیں کہ ہمکو بتایا گیا ہی کہ شکر کرو اُس خدا کا جس نے وہ کتاب بھیجی کہ جس نے پہلی سب کتابوں کو موقوف کر کے جو مختلف قوموں کے لئے تھیں اس کتاب کو ارسال کیا کہ جو ربوبیت عالمین کی صفت کے ماتحت اب سب دنیا کی ربوبیت کریگی۔ اور خواہ کسی مقام یا جگہ کا رہنے والا آدمی ہو سب کے لئے اس نے اپنے دروازونکو کھولدیا ہے۔ اور کسی دکھیارے کو رد نہیں کرتی اور کسی سائل کو دھتکارتی نہیں۔ نہ کسی ملک کے ساتھ اپنے آپکو مخصوص کرتی ہے چنانچہ یہ وہ آیت ہے۔ کہ مسلمان اسکو دن میں کم سے کم چالیس دفعہ تو پڑھ ہی چھوڑتے ہیں۔

علاوہ اس کے سورۃ انعام رکوع ۲ میں خداتعالےٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے کہ ان لوگوں کو کہدے کہ اُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ۔ یعنے وحی کیا گیا ہے۔ میری طرف یہ قرآن تاکہ میں تمکو اس سے ڈراؤں اور اونکو ڈراؤں جسکو یہ پہنچے۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن ہر ایک شخص کے لئے ہے۔ اور کسی قوم یا ملک کی خصوصیت نہیں جسکے کان میں یہ پڑے وہی مخاطب ہے اور کوئی نہیں جو کہہ سکے کہ میں تو اِس کے مخاطبین میں سے نہیں ہوں۔ بلکہ

جسکو یہ پہنچ جائے اُسکو آنحضرت کے دعوےٰ کی طرف جھکنا پڑیگا۔ اور سستی یا شرارت پر کوئی عذر نہ سنا جاویگا۔ چنانچہ اس آیت میں ایک پیشگوئی بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ خدا تعالےٰ آنحضرت کو فرماتا ہے۔ کہ قرآن شریف کے منکرین کے لئے جو سزائیں بتائی گئی ہیں۔ اور یہ جو کہا گیا ہے۔ کہ جو شرارت کریگا۔ اور اس کتاب سے ٹھٹھا کریگا۔ وہ ہلاک ہوگا۔ اور دنیا میں ذلیل ہوگا۔ وہ صرف اہل عرب کے لئے نہیں بلکہ دنیا بھر میں جہاں جہاں یہ جائیگا۔ وہیں اس کے مقابلہ کرنیوالے ذلیل وخوار ہونگے۔ اور اُنکے لئے بھی نذیر ہوگا چنانچہ اس لئے فرمایا کہ لانذرکم ومن بلغ یعنے تاکہ انذاری پیشگوئی تمکو بھی اور جنکو یہ پہنچے ان کو بھی سنا دی جائے۔ اور یہ قرآن شریف کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔ اور آیت ہے۔ کہ جس کے مقابلہ میں اور کوئی کتاب نہیں ٹھہر سکتی چنانچہ آتھم اور لیکھرام نے اس پیشگوئی کے مطابق اپنا انجام دیکھ لیا اور اس پیشگوئی کے شاہد بنے اور دیگر لوگوں نے بھی اس کا مشاہدہ کیا۔ پس علاوہ اس کے کہ اس آیت سے یہ نکلتا ہے۔ کہ قرآن شریف سب دنیا کے لئے ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ جسکو یہ پہنچے اس کے لئے یہ انذار ساتھ موجود ہے۔ کہ اس شہنشاہی پروانہ سے اگر ٹھٹھا کروگے۔

تو آنحضرت اسی لئے آئے تھے کہ سب دنیا کو کہدیں۔ کہ لانذرکم بہ ومن بلغ

علاوہ ازیں سورۃ اعراف رکوع ۱۹ میں ہے۔ کہ قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رسول اللّٰہ الیکم جمیعا الذی لہ ملک السمٰوٰت والارض یعنے انکو کہدے کہ اے لوگو میں نہ کسی خاص قوم کے لئے اور نہ ہی کسی خاص ملک کے لئے بلکہ میں دنیا کے ہر گوشہ کے باشندوں کے لئے مبعوث ہوکر آیا ہوں اور میرا بھیجنے والا اللہ ہے۔ جو کہ آسمان وزمین کا بادشاہ ہے۔ اور مالک ہے۔ اس لئے میری بات کو ہلکا مت خیال کرو بلکہ یاد رکھو کہ اگر تم نے میرا مقابلہ کیا تو لہ

ملک السموات والارض ملک اُسیکا ہے وہ تم سے فوراً چھین لیگا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ آنحضرت کا جس نے مقابلہ کیا وہ ذلیل ہوا اور علاوہ اور ذلتوں کے ملک بھی خالی کرنا پڑا پھر آپ کے پیچھے متبعین حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے زمانوں میں بھی جو کوئی سامنے آیا ذلیل ہوا اور خائب و خاسر ہوا۔ چنانچہ اس وقت تو اور رنگ تھا اب بھی پادری صاحبان نے جس وقت سے اسلام کے برخلاف منہ زوری کرنی شروع کی ہے۔ اس وقت سے یورپ کسے پادریوں کی حکومت مٹتی جاتی ہے۔ اور اب صرف چند جگہ ہی رہگئی ہے۔ ورنہ کل یورپ میں انکا سکہ چلنا بند ہو گیا ہے۔ وہ طاقتیں جو کروڑوں روپیہ انکی مدد کے لئے خرچ کرتی تھیں۔ اب روپیہ دینا تو الگ خود ان سے وصول کرنا چاہتی ہیں۔ انگلستان سے انکا دخل اٹھ گیا۔ فرانس و بلجیم سے انکا دخل اُٹھ گیا۔ جرمن سے انکو جواب ملا۔ ایشیا میں ان کی ذلت ہوئی تو امریکہ نے ان کی اطاعت کا جوا اتار کر پھینک دیا۔ چنانچہ تاریخ کو اُٹھا کر دیکھو۔ کہ جس وقت سے اسلام کے برخلاف انہوں نے زہر اگلنا شروع کیا ہے اور قرآن شریف کی ہتک پر کمر باندھی ہے۔ تبھی سے انپر تباہی آنی شروع ہوئی ہے۔ اور کہاں تو بادشاہ تک پادریوں سے ڈرتے تھے۔ اور کہاں مذہب کے برخلاف فیصلے ہو رہے ہے۔ اور اگر پادری صاحبان کچھ چوں چرا کریں تو گورنمنٹ تو الگ عوام تک بھی گرجے پھونک دیتے ہیں۔ لمبی تحقیقات تو تاریخوں سے ہو سکتی ہے۔ میں ایک واقعہ یہاں لکھدیتا ہوں جس سے میری تصدیق ہوتی ہے ڈاکٹر جے۔ ایف ارنلڈ مو سلم مشن سوسائٹی کے آنریری سیکرٹری کی کتاب اسلام اور عیسائیت سے جو کہ سنہ ۱۸۷۴ء میں چھپی ہے۔ ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ سب سے اول مسلمانوں کے برخلاف اگر کوئی باقاعدہ سوسائٹی تیار ہوئی ہے۔ تو وہ

سنہ ۱۸۲۲ء میں بیل کے مقام پر ہوئی ہے۔ (جو کہ غالباً سوئٹزرلینڈ میں ہے۔) چنانچہ اس سوسائیٹی نے ایکہزار سے زائد مشنری اِدھر اُدھر بھیجے تھے۔ مگر یہ سوسائٹی بہت جلد سنہ ۱۸۳۳ء میں گورنمنٹ کے حکم سے ملک بدر کی گئی۔ چنانچہ ڈاکٹر فانڈر جو میزان الحق کا مصنف ہے۔ وہ بھی اس گروہ کے ساتھ یورپ سے بھیجا گیا تھا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ نے فوراً ہی اس سوسائٹی کو مفسد قرار دلوا کر ذلت کے ساتھ ملک بدر کرا دیا۔ مگر چونکہ پادری صاحبان نے نصیحت حاصل نہیں کی۔ اس لئے آج ہم دیکھتے ہیں۔ تو یورپ میں کہیں یونیٹرین فرقہ کا روز ہے۔ جو یسوع کی ابنیت پر سو سو قہقہہ لگاتا ہے۔ تو کہیں فری تھنکر پیدا ہو گئے ہیں۔ کہ جن کا کام ہی پادری صاحبان کو گالیاں دینا اور ان کے راز پوشیدہ کو ظاہر کرنا ہے۔ مگر یہ باتیں بھی کچھ نہ تھیں۔ اگر یورپ مسیحیت پر قائم رہتا مگر جو لوگ یورپ سے دنیا کو نجات دینے کیلئے نکلے تھے۔ اُن کے اپنے وطن میں اسّی فی صدی سے بھی زیادہ لوگ دہریہ ہو گئے ہیں۔ اور اسی وجہ سے جہاں جہاں پادریوں کا کچھ اختیار تھا۔ اُنکو اُس سے بے دخل کر دیا گیا ہے یہ اس آیت کے ماتحت ہے کہ لہ ملک السمٰوٰت والارض بیشک سب کچھ خدا ہی کا ہے۔ وہ اس پاک کتاب پر ٹھٹھا کرنے والوں کو بغیر سزا کے نہیں چھوڑتا۔ مگر اس کو جو توبہ کرے

تیسری آیت اس بارہ میں سورۃ سباء کے رکوع ۳ میں ہے کہ وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا ولکن اکثر الناس لا یعلمون یعنے ہم نے تجھکو نہیں بھیجا مگر صرف اس لئے کہ اب تمام دنیا کے لئے ایک ہی کی ضرورت تھی اور وہ اسبات کی محتاج تھی کہ بجائے الگ الگ نبی آنیکے ایک ہی نبی آئے جو کامل اور مکمل ہو جسکے۔ وجود پر تمام دنیا کی ہدایت کا مدار ہو اور

جس کے توسط سے لوگ اُس خالق حقیقی تک پہنچیں کہ جس تک پہنچنا تمام بزرگیوں سے بزرگ تر اور تمام انعامات سے بڑا انعام ہے۔ اس لئے ہم نے تجھکو اس کام کے لئے چنا اور بشیر و نذیر بناکر مبعوث کیا۔ مگر اکثر لوگ جانتے نہیں اور تیری بیکسی کو دیکھکر کہتے ہیں۔ کہ یہ شخص جو ایسا کمزور اور غیر مشہور ہے۔ اسکی تعلیم اور ہدایت تمام دنیا میں کسطرح پہنچیگی۔ اور کسطرح تمام دنیا کے لئے بشیر و نذیر ہو جائیگا۔ ایک ہمارا مقابلہ تو یہ کر نہیں سکتا۔ پھر سب دنیا میں اسکے پیرو کسطرح پھیل جائینگے اور یہ چند آدمی بڑھتے بڑھتے کل دنیا کا احاطہ کسطرح کرینگے۔ چنانچہ خداتعالےٰ ان لوگوں کے خیالات و اقوال کو اسطرح ظاہر فرماتا ہے کہ جب مخالفین اسلام نے آنحضرت کا یہ قول سنا کہ میں سب دنیا کے لئے مبعوث ہوا ہوں اور سب کے لئے بشیر و نذیر ہو کر آیا ہوں اور میری تعلیم ہر جگہ پھیل جائیگی تو وہ حیران ہوئے۔ ویقولون متی ھذا الوعد ان کنتم صادقین۔ یعنے اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب پورا ہو گا۔ اور کب آپکی بشارت اور آپ کا انذار تمام دنیا میں پھیل جائیگا۔ اور آپ کے دشمن ذلیل اور پیرو باعزت ہونگے۔ اسپر خداتعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ قل لکم میعاد یوم لا تستاخرون عنہ ساعۃً ولا تستقدمون انکو کہدو کہ دوسروں سے تمکو کیا اپنی سنو کہ تمہارے لئے ایک یوم (جو الہامی کتب میں ایک قلیل مدت سے مراد ہوتی ہے) کی مدت مقرر ہو چکی ہے۔ اب اس مدت کے اندر اندر تمکو تو انذار سنا دیا جائیگا۔ اور موقعہ بدر پر تمکو اس انکار کی حقیقت معلوم ہو جائیگی۔ باقیوں کا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ جیسا ان کا موقعہ آئیگا۔ اُن تک بھی یہ کلام پہنچ جائیگا۔ ہاں تمہارا واقعہ اُن کے لئے ایک عبرت کا کام دیگا۔ چنانچہ ان لوگوں نے بدر کے موقعہ پر اپنی قسمت کا انجام دیکھ لیا اور کچھ مدت کے اندر اندر ہی اسلام دنیا میں پھیل گیا۔ جو کہ

ایک عقلمند کے لئے ایک بڑی آیت ہے۔ جو مذکورہ بالا آیت کے مطابق پوری ہوئی۔

پھر چوتھی آیت جس میں آنحضرت کے عہدہ کی میعاد بیان کی گئی ہے۔ کہ کب تک آپ کا مذہب قائم رہیگا۔ یہ ہے۔ ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شیئ علیما سورۃ احزاب رکوع ۵۔ یعنے نہیں ہیں۔ آنحضرت صلعم تمہارے مردوں میں سے کسیکے باپ لیکن آپ اللہ تعالے کے رسول ہیں۔ اور رسول بھی کیسے کہ خاتم النبیین ہیں۔ اور اللہ تعالے ہر ایک چیز کا جاننے والا ہے۔ اور کوئی ذرہ بھی اُس کے علم سے باہر نہیں۔ اس آیت میں خدا تعالے نے فرمایا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہیں۔ اور آپ کے بعد اب کوئی شخص نہیں آئیگا کہ جسکو نبوت کے مقام پر کھڑا کیا جائے۔ اور وہ آپکی تعلیم کو منسوخ کر دے اور نئی شریعت جاری کرے بلکہ جسقدر اولیاء اللہ ہونگے اور متقی اور پرہیزگار لوگ ہونگے سبکو آپکی غلامی میں ہی ملیگا جو کچھ ملیگا۔ اسطرح خدا تعالے نے بتا دیا کہ آپ کی نبوت نہ صرف اس زمانہ کے لئے ہے۔ بلکہ آئیندہ بھی کوئی نبی اور نہیں آئیگا بلکہ اب ہمیشہ کے لئے آپکی ہی تعلیم جاری رہیگی۔ اور یہی لوگوں کی ہدایت کا موجب ہوگی جو اس سے باہر نکلیگا۔ وہ درگاہ الٰہی میں نہیں پہنچ سکیگا۔

اس جگہ ایک اور نکتہ یاد رکھنا چاہیے۔ کہ اس آیت میں خدا تعالے فرماتا ہے۔ کہ کان اللہ بکل شیئ علیما۔ مگر بظاہر اس جگہ اس کا جوڑ کوئی معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ تعالے نے جس قدر باتیں بیان فرمائی ہیں۔ وہ ظاہر ہیں۔ ان کے لئے یہ بتانا کہ اللہ تعالے ہر ایک چیز کا جاننے والا ہے۔ کچھ ضروری نہ تھا۔ سو اصل بات یہ ہے۔ کہ یہاں آپ کے خاتم النبیین ہونیکے متعلق ایک پیشگوئی

ہے۔ اور وہ یہ کہ آنحضرت سے پہلے دنیا میں سینکڑوں نبی گذرے ہیں۔ جنکو ہم جانتے ہیں۔ اور جنہوں نے بڑی بڑی کامیابیاں دیکھی بلکہ کوئی صدی نہیں معلوم ہوتی کہ جس میں ایک نہ ایک جگہ مدعی نبوت نظر نہ آتا ہو۔ چنانچہ کرشن رامچندر بودھ کنفیوشس۔ زرتشت۔ موسٰی اور عیسٰی تو ایسے ہیں۔ کہ جن کے پیرو ابتک دنیا میں موجود ہیں۔ اور بڑے زور سے اپنا کام کر رہے ہیں۔ اور ہر ایک اپنی ہی سچائی کا دعویٰ پیش کرتا ہے۔ مگر آنحضرت کے دعویٰ کے بعد تیرہ سو برس گزر گئے ہیں کہ کسی نے آجتک نبوت کا دعوےٰ کرکے کامیابی حاصل نہیں کی۔ آخر آپ سے پہلے بھی تو لوگ نبوت کا دعویٰ کرتے تھے۔ اور انہیں سے بہت سے کامیاب ہوئے۔ (جنکو ہم تو سچا ہی سمجھتے ہیں) مگر آپکی بعثت کے بعد یہ سلسلہ کیوں بند ہو گیا۔ اب کیوں کوئی کامیاب نہیں ہوتا۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہی پیشگوئی ہے۔ کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ اب ہم اسلام کے مخالفین سے پوچھتے ہیں کہ اس سے بڑھکر کیا نشان ہو سکتا ہے۔ کہ آپ کے دعوے کے بعد کوئی شخص جو مدعی نبوت ہوا ہو کامیاب نہیں ہوا۔ پس اس کی طرف اشارہ تھا کہ کان اللہ بکل شیءٍ علیما۔ یعنے ہم نے آپکو خاتم النبیین بنایا ہے۔ اور ہم جانتے ہیں۔ کہ آپکے بعد اب کوئی نبی نہ آئیگا۔ اور کوئی جھوٹا آدمی بھی ایسا دعوٰی نہ کریگا۔ کہ ہم اسکو ہلاک نہ کردیں۔ چنانچہ یہ ایک تاریخی پیشگوئی ہے۔ کہ اس کا رد کسی سے ممکن نہیں۔ اگر ہو تو ہمارے سامنے پیش کرو۔ مگر اسطرح نہیں۔ کہ کسی نے دعویٰ کیا ہو۔ اور لاکھ دو لاکھ اُس کے پیرو ہو گئے ہوں۔ بلکہ ایسا آدمی کہ جس نے آنحضرت یا آپ سے پہلے نبیوں کی طرح کامیابی حاصل کی ہو۔ مگر کوئی نہیں جو ایسی نظیر پیش کر سکے غرض قرآن شریف نے بڑے زور سے دعویٰ کیا ہے۔ کہ میں تمام دنیا کے لئے آیا ہوں اور ہر زمانہ کے لئے ہوں مگر برخلاف اسکے جیسے کہ

میں پہلے لکھ آیا ہوں۔ دوسری کتب کا یہ دعویٰ نہیں۔ اس لئے اُنکا دعویٰ کرنا کہ ہم نجات سب عالم کے لئے پیش کرتے ہیں۔ کسیطرح بھی درست نہیں اور اُن کا کوئی اختیار نہیں کہ اپنی تعلیم غیر مذاہب کے سامنے پیش کریں۔ اور جب انکو ان کی کتب اس بات کی اجازت ہی نہیں دیتیں۔ تو ہمارے سامنے ان کا اپنی نجات کو پیش کرنا ہی غلط ہے۔ کیونکہ انکی نجات تو انہیں تک محدود ہے اور اسلام کی نجات سب دنیا کے لئے ہے۔ اور چونکہ خداتعالےٰ رب العالمین ہے۔ اس لئے سچی بات یہ ہے۔ کہ اصل نجات وہی ہے۔ جو اسلام پیش کرتا ہے۔

جیساکہ میں پہلے لکھ آیا ہوں میری غرض اس مضمون کو اس جگہ لکھنے سے صرف یہی ہے۔ کہ میں بتاؤں کہ ان لوگوں کی کتب تو انکو اجازت ہی نہیں دیتیں۔ کہ یہ اپنی نجات دوسروں کے سامنے پیش کریں۔ پھر ہمارا ان کا مقابلہ کیا۔ چنانچہ میں نے ہر ایک مذہب کے متعلق الگ الگ ثابت کیا ہے۔ کہ سوائے اسلام کے مسیحیت اور آرین مذہب کا غیر قوموں میں پھیلانا بالکل خلاف اصول ہے۔ اور منع ہے چنانچہ اس لئے اُنکا ہم سے نجات کے بارہ میں بحث کرنا خلاف اصول ہے۔

اب میں اصل مضمون کی طرف لوٹتا ہوں اور سب سے پہلے یہ بتاتا ہوں کہ اسلامی نجات کیا ہے۔ اور یہ کہ واقعی وہی نجات سچی اور حقیقی ہے۔ ورنہ باقی سب مذاہب کی پیش کردہ نجاتیں ناقص ہیں۔

نجات کی تعریف

ہر ایک مضمون پر قلم اُٹھانے سے پہلے ضروری ہوتا ہے۔ کہ اُسکی تشریح کردی جائے اور تعریف کردی جائے۔ تاکہ ایک تو مضمون کے حصہ کرنیمیں آسانی ہو۔ اور ایک پڑھنے

والیکو اسکے سمجھنے میں مدد ملے ۔ اس لئے میں لفظ نجات کی تحقیقات کرنی ضروری سمجھتا ہوں ۔

یاد رہے ۔ کہ نجات ایک عربی زبان کا لفظ ہے ۔ کہ جس کے معنے دریافت کرنیکے لئے ہمکو عربی لغات کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے ۔ اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اول لفظ نجات کے وہ معنے جو لغت عربی ہم کو بتاتی ہے ۔ لکھدوں ۔

تاج العروس جلد دس صفحہ ۳۵۶ پر لکھا ہے ۔ کہ النجاۃ الخلاص مما فیہ المخافۃ ونظیرھا السلامۃ ذکرہ الحرالی وقال غیرہ ھو من النجوۃ وھی الارتفاع من الھلاک وقال الراغب اصل النجاۃ الانفصال من الشئ ومنہ نجا فلان من فلان ۔ اب اس صورت میں نجات کے تین معنی ہوئے ۔ ایک تو خوف والی چیز سے خلاصی دوسرے یہ کہ ہلاکت کی جگہ سے اونچا ہو دینا اور ٹیلہ پر جگہ دینا اور تیسرے کسی چیز سے جدا ہو جانا مگر بہر حال ہمکو ان تینوں معنوں سے اتنا معلوم ہو گیا کہ نجات کہتے ہیں کسی مکروہ چیز سے بچ جانیکو ۔ پس اب ہم مذاہب کو دیکھتے ہیں ۔ تو انکا اصل مقصد خدا تعالےٰ کی ناراضگی سے انسان کو بچانا اور اوس سے سچا تعلق پیدا کروانا ہوتا ہے ۔ اس لئے مذاہب نے جو یہ لفظ لیا ہے ۔ اور استعمال کیا ہے ۔ تو انہوں نے اسکو انہیں مذکورہ بالا معنوں میں استعمال کیا ہے ۔ اور نجات کے لفظوں کو اپنی اصطلاح میں خدا تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے اور اسکی رضا حاصل کرنے پر حصر کیا ہے ۔ اور واقعی اگر دیکھا جائے تو اصل خوف تو خدا تعالےٰ کی ناراضگی سے ہی ہوتا ہے ۔ اگر وہ راضی ہے تو پھر ہر ایک آفت سے انسان محفوظ ہے ۔ اور اگر وہ ناراض ہے ۔ تو ساری دنیا کی نعمتیں موجود ہوتے ہوئے بھی کوئی سکھ اور چین اور آرام نصیب نہیں ہو سکتا ۔ کسی نے

سچ کہا ہے۔ کہ خدا راضی ہو تو کل جہاں راضی ہوتا ہے۔ اور اگر وہ ناراض ہو تو اور تو اور خود اپنے ہاتھ پاؤں تک نافرمان اور قابو سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اس وجہ سے اگر کسی چیز سے ڈر ہو سکتا ہے۔ تو وہ غضب الٰہی ہے۔ پس کل مذاہب نے غضب الٰہی سے بچنے اور رضائے الٰہی کے حصول کا نام نجات رکھا ہے۔ اور اسی حد تک کل مذاہب متفق ہیں۔ لیکن دوسرے قدم پر اختلاف شروع ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض مذاہب تو ایک بات پیش کر کے کہتے ہیں۔ کہ جسکو یہ حاصل ہو جائے تو وہ خدا کی ناراضگی سے نجات پا گیا دوسرے اُسکے برخلاف کوئی اور بات پیش کر کے کہتے ہیں۔ کہ نہیں جبتک اس درجہ کو انسان حاصل نہ کرے تب تک نجات ناممکن ہے۔ پھر اس بات پر جھگڑا اُٹھتا ہے کہ ایک شخص اگر گناہ کرتا رہا۔ اور ایک خاص وقت تک خدا تعالےٰ سے باغی رہا تو اب اُسکی توبہ قبول کر کے نجات ملیگی یا نہیں۔ اور اگر ملیگی تو کسطرح اسیطرح اور بہت سے مسائل ہیں۔ کہ جنپر مختلف مذاہب آپس میں اختلاف رکھتے ہیں۔ اس لئے مسئلہ نجات کے حل کرنیکے لئے ضروری ہے۔ کہ ان تمام پہلوؤں کو مدِّنظر رکھکر غور کیا جائے۔ کیونکہ ہر ایک مذہب کا پیرو جب اس لفظ کو استعمال کرتا ہے۔ تو اپنے عقائد کے ماتحت وہ اس لفظ کے ایک خاص معنے اپنے دل میں رکھتا ہے۔ چنانچہ جب ایک عیسائی اس لفظ کو استعمال کریگا۔ تو وہ اُس سے یہ مراد لیگا۔ کہ پچھلے گناہوں سے توبہ کے ذریعہ نجات نہیں ہوتی۔ بلکہ کفارہ مسیح پر ایمان لانے سے نجات ہوتی ہے۔ اور ایک آریہ جب اس لفظ کو استعمال کریگا۔ تو اس کا مقصد یہ ہوگا۔ کہ پچھلے گناہوں کی سزا بھگتے بغیر انسان نجات پا ہی نہیں سکتا۔ اور جبتک کہ وہ مختلف طرح کی جونوں کے چکر میں پھنسکر اپنے گناہوں کا کفارہ نہ کرے تب تک کسی قسم

کی کتنی کی امید کرنی اُسکا خیال خام ہے۔ یا ایک مسیحی جب نجات کا ذکر کیگا۔ تو وہ اس بات پر پہنچا ہوگا۔ کہ گنہگاروں کے لئے دوزخ ابدی ہے۔ اور آریہ لوگوں کے لئے مکتی کو ابدی قرار نہ دیگا۔ مگر مسلمان ان دونوں کے برخلاف خیالات رکھتا ہوگا۔ پس جب نجات پر بحث کی جائے۔ تو ان تمام پہلوؤں پر نظر رکھنی ضروری ہے۔ کیونکہ بغیر اس کے نجات کا مضمون کامل نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس وجہ سے میں ارادہ رکھتا ہوں۔ کہ انشاءاللہ اپنے مضمون میں اُن تمام پہلوؤں پر بحث کروں۔ کہ جن سے نجات کا مسئلہ پورا ہوتا ہے۔ اور ہر ایک حصہ میں جہاں غیر مذاہب سے اختلاف ہو اسکو بیان کروں۔ اور اُنکے دلائل اور اسلام کے دلائل کا موازنہ کر کے بتاؤں۔ کہ سوائے اسلام کے باقی سب مذاہب کی پیش کردہ نجاتیں۔ اپنے ایک حصہ یا دوسرے حصہ میں نقص رکھتی ہیں۔ اور اس وجہ سے ناقص ہیں۔ مگر چونکہ اسلام خدا کی طرف سے ہے۔ اس لئے اسلامی نجات ہر طرح کامل اور فطرت کے مطابق ہے۔

چنانچہ اس خیال کو مدنظر رکھکر سردست میرا ارادہ ہے۔ کہ اگر خدا تعالیٰ نے عمر صحت اور طاقت دی۔ تو انشاءاللہ اس مضمون کو چھ حصوں میں لکھونگا۔ اول یہ کہ کیا اسلام میں پچھلے گناہوں سے نجات ہے یا نہیں۔ اگر ہے کسطرح۔ دوم یہ کہ کیا اسلام انسان کے گناہوں سے پاک ہونیکا قائل ہے۔ یا نہیں۔ اگر ہے تو کسطرح۔ سوم یہ کہ کیا اسلام مرنے کے بعد گناہوں کی معافی کا قائل ہے یا نہیں۔ چہارم یہ کہ کیا دوزخ کا عذاب غیر مجذوذ ہے؟ پنجم یہ کہ کیا جنت کا انعام منقطع ہے؟ اور ششم خاتمہ جسمیں انشاءاللہ اس مضمون کے متعلق متفرق باتوں کو بیان کیا جائیگا۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔